زعیم اکبر

# حضرت امام خمینیؒ

کی وصیّت میں

# اسمِ مستأثر

بقلم: آیۃ اللہ محمدی گیلانی

ا
296.3
ت ی

454
5
OGA

زعیم اکبر

حضرت امام خمینیؒ

کی وصیّت میں

# اسمِ مستأثر

بقلم: آیۃ اللہ محمدی گیلانی

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ


| | |
|---|---|
| کتاب | امام خمینیؒ کی وصیّت میں اسمِ مُستاثر |
| مصنف | آیۃ اللہ محمدی گیلانی |
| ترجمہ | سیّد موسیٰ رضوی |
| کتابت | سیّد رفیع الحسن نقوی (امروہوی) |
| ناشر | موسسۂ تنظیم ونشر آثارِ امام خمینیؒ امورِ بین الملل |
| تاریخ اشاعت | شوال ۱۴۱۳ھ |
| تعداد | ۵۰۰۰ |
| قیمت | ۳۵ روپے |

# فہرست

| صفحہ | عنوان |
|---|---|
| ۵ | عرضِ ناشر |
| ۷ | دیباچہ |
| ۱۷ | باب اوّل |
| ۱۹ | اسمِ مستأثر کے بارے میں روایات |
| ۲۵ | باب دوم |
| ۳۲ | اسمِ اعظم کیا ہے؟ |
| ۴۱ | باب سوم |
| ۴۳ | زبان کا کردار اور اس کی اہمیّت |

| عنوان | صفحہ |
|---|---|


| | |
|---|---|
| اسماء الٰہی اور اسم اعظم | ۴۶ |
| اہلِ معرفت کے نزدیک اسم باری تعالیٰ اور حقیقتِ صفت | ۴۹ |
| بعض علوم کے بارے میں مشکلات اور دشواریاں | ۵۰ |
| تعلیم الٰہی پر اہلِ اللہ کی تدریس | ۵۴ |
| غیر اللہ پر ان تعلیمات کا بھاری ہونا | ۵۵ |
| قرآن کے باطن اور اس کے چھپے ہوئے راز کے مراتب | ۵۹ |
| قرآنِ کریم کے مقامات اور درجات | ۶۲ |
| باب چہارم | ۶۷ |
| عرفا اور اہلِ اللہ کے اصطلاحات کے بارے میں امام خمینیؒ کے عقائد و نظریات | ۶۹ |
| اسمِ مُستأثر کے بارے میں شاہ آبادی اور امام خمینیؒ کے خیالات | ۷۹ |
| آیت کے کسی حصّہ سے وجہہ غیبی کا مفہوم نکلتا ہے۔ | ۸۵ |
| باب پنجم | ۸۹ |
| خدا کے بارے میں ان اخبار و احادیث کی بات جو نفی اور اثبات کو یکجا کرتی ہیں | ۹۱ |
| باب ششم | ۹۹ |
| اسمِ مُستأثر مظاہر و آثار کا حامل ہے، امام خمینیؒ کے نظریات | ۱۰۱ |
| کلامِ آخر | ۱۰۶ |

# عرضِ ناشر:

تمام بلند پایہ نامور انسان جن میں انبیاءِ مرسلین بھی شامل ہیں اللہ کی شریعت اور اس کی سُنتوں کے دائرۂ عمل میں اپنی زندگی کا سفر طے کرتے ہیں یہاں تک کہ دُنیا میں اُن کے جسمانی حیات کی مدّت پوری ہو جاتی ہے اور اُن کی بلند روحیں اُن افکار و آثار کے ساتھ جسے وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اپنی معنوی حیات کو برقرار رکھتی ہیں۔

ان عظیم الشان انسانوں کے افکار و آثار، جس قدر حقائق ہستی سے قریب ہوں گے اور ان کا ارتباط لوگوں کے بنیادی مسائل سے ہوگا اسی قدر ان میں استحکام پایا جائے گا۔ امام خمینی رضوان اللہ علیہ وہ عظیم ہستی ہیں کہ جن کے افکار و آثار زمان و مکان کی قیود سے آزاد، ہمیشہ پائندہ و تابندہ رہیں گے اس لئے کہ اُن کا سرچشمہ، کتابِ

الہیٰ اور انبیاء اور ائمہ ہدیٰ علیہم السّلام کی سیرت و سُنت ہے۔

انسانی حیات کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کے بلند اور نجات دہندہ افکار کا خلاصہ ان کے سیاسی۔ الہیٰ وصیت نامہ میں بڑی وضاحت سے پیش ہوا ہے۔ اُن کی یہ تحریر اُن کے مجموعۂ آثار میں ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے اور بڑی خاص اہمیّت رکھتی ہے اور اسی لئے امام کے اس گرانقدر یادگار کی اسلامی دُنیا اور مظلوم و مجبور قوموں کے درمیان نشر و اشاعت اور ان کے اعلیٰ مضامین و مفاہیم کی بھرپور انداز میں وضاحت آپ کے تمام پیروکاروں کا اوّلین فرض ہے اور اس سے ساری دُنیا کے تشنگانِ حقیقت کی سیرابی عمل میں آتی ہے۔ اس ضمن میں ہر وہ کوشش جو اس ہمیشہ باقی رہنے والی سند کے ہر ہر لفظ میں کی جائے گی وہ یقیناً قابلِ تحسین ہوگی۔

یہ موجودہ گرانقدر رسالہ آیت اللہ محمدی گیلانی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ جسمیں انھوں نے امام کے وصیت نامہ کے ابتدائی خطبہ میں استعمال ہونیوالے اہم مستائثر کے مفہوم کو آیات، روایات اور اقوال علماء کی روشنی میں بڑے خوبصورت اور دلنشین انداز میں بیان کیا ہے۔

مؤسسہ تنظیم و نشر آثارِ امام خمینیؒ امورِ بین الملل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسّلام علی رسول اللہ
وعلی آلہ ائمۃ الھدی

امابعد یہ مختصر رسالہ اُس اسمِ "مُستاثر" سے متعلق ہے جس کا ذکر عظیم پیشوا آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی (قدس اللہ تعالےٰ اسرارہ الذکیہ) نے اپنے وصیت نامہ میں کیا ہے۔ اس کے چند ابواب ہیں جو ایک دیباچہ سے شروع ہوتے ہیں:

## دیباچہ

یہ بات بڑی صاف اور واضح ہے کہ عملی اور نظری علوم کا ہر

علمی موضوع اپنے وسیع مفہوم میں قاعدہ اور قانون کا حامل ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اس علم کی حقیقت کو صحیح خدوخال کے ساتھ پیش کر سکتا ہے اور مختلف جہات میں زندگی کی ضرورتوں کو اس سے پوری کر سکتا ہے۔ یہی وہ علوم ہیں کہ جو انسان کی کثیر حاجتوں کے بھاری بوجھ کو انتہائی تنگی اور سختی کے ساتھ ہمیشہ ڈھوتے رہتے ہیں اور انسان کو بغاوت پر آمادہ کرنے والی سرکش طبیعت انہی علوم کے ذریعے ممکنہ حد تک رام ہوتی ہے اور وہ ان کی قوت اور امکانات کے ذریعے اپنی تکلیف اور آرام یا دوسرے کے رنج اور آسائش کا سامان کرتا ہے۔

لیکن انسان فطری عوامل کے زیرِ اثر رونما ہونے والے اپنے اس جانکاہ رنج والم میں کبھی ایسا نہ کر سکا اور نہ ہی کر سکے گا کہ وہ نظامِ عالم اور قانونِ فطرت کو کلّی طور پر بدل سکے اور اپنی آرزو اور اپنے ہوا و ہوس کے مطابق اس کی گردش کو تیز تر یا آہستہ تر کر سکے یا کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی کارکردگی کو بڑھا یا گھٹا سکے اس لئے کہ اس حکمت والے خالقِ کل نے ہر چیز کو نظامِ خلقت میں اپنے لامتناہی علم پر اس طرح استوار کیا ہے اور اس طرح اشیاء کے درمیان روابط کو محکم کیا ہے کہ اب اس میں تبدیلی ناممکن ہے اور کسی قسم کا تغیّر محال ہے۔ امکانی حدوں میں آنے والے اس عالم کا مجموعہ وہ حقیقی

اکائی ہے کہ جس میں کسی ہوا و ہوس کا دخل نہیں اور جو میزانِ عدل و قسط پر تیزی کے ساتھ کمالِ مطلق اور حقِ سبحانہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اللہ کے وضع کئے گئے قوانین کے ساتھ جواہر میں حرکت اوراعراضِ طبیعت کے بعض عمومی قوانین اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے کہ جو تکمیلِ موجودات کے لئے تقدیر و ترقیم ہوئے ہیں۔

لیکن اللہ کی بعض نعمتیں ایسی بھی ہیں کہ جسکے حصول کی راہ نامعلوم ہے اور جس تک رسائی صرف دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے اِس لئے کہ یہ کوئی اکتسابی اور تحصیلی علم نہیں، بلکہ ایک وھبی اور لدّنی علم ہے جسے حضرت واہب العطایا اپنے لطف اور اپنی چاہت سے بعض افراد کو بخشتا ہے، اور انھیں کیمیا گرِ سخن بناتا ہے اور پھر وہ شیشوں کی کرچیوں سے گوہر تابناک بنانے لگتے ہیں۔

بقولِ حافظ:

لطیفۂ ای است نہائی کہ عشق از آن خیزد
کہ نام آن نہ لب لعل و خطِ زنگاری است
جمالِ شخص نہ چشم است و زلف و عارض و خال
ہزار نکتہ در این کار و بار دلداری است

یہ غیبی عنایت ہے کہ جو موزوں الفاظ کو سخنوروں کے کلام میں جاری کرتی ہے اور پُر مغز اشعار کی ترکیبات بنتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں

پھر حافظ کی بات سامنے آتی ہے وہ کہتا ہے:

ہر مرغِ فکر کز سرِ شاخ سخن پرید

بازش ز طرّۂ تو بہ مضراب می زدم

طرّہ یا زلف کے دام سے یہی ودیعت کی گئی غیبی عنایت شکار ہوتی ہے اور نثر، نظم یا غزل کے قفس میں گرفتار ہو جاتی ہے اور پھر نغمے بکھیر کر دلربائی کرنے لگتی ہے۔

اور یہی غیبی عنایت کبھی تخلیقی عمل کو وجود میں لاتی ہے اور نئے مفاہیم کو موزوں جملوں کے پیرائے میں سجاتی ہے اور الفاظ کی ترصیع ان نئے مفاہیم کو رونق بخشتی ہے اور پھر مقابلتاً مفہوم کی تراوت و تازگی بھی ان الفاظ میں کشش اور دلربائی پیدا کرتی ہے جس کے نتیجے میں خوبرویانِ فصاحت و بلاغت کی محفل میں شاہدِ سخن سرخرو اور سرفراز ہوتا ہے اور لوگوں کی خاص توجّہ اس پر مرکوز ہوتی ہے اور ہر کوئی اسی لمحہ اپنی نظریں اس پر جما کر محوِ تماشائی دوست ہو جاتا ہے۔ گویا وہ عشق کی ایک صراحی ہے جس کی طلب میں لوگوں کی نظریں اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں، بلکہ شاید میں غلط کہہ گیا۔

"سبو بشکن کہ جوئی نی سبوئی"

بلکہ خالِ لبِ دوست کا ہر قطرہ و ہر نقطہ اور اس کی چشمِ بیمار ہر صاحبِ دل کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔

من بہ خالِ لبت ای دوست گرفتار شدم
چشمِ بیمارِ تو را دیدم و بیمار شدم

پھر اس کا استماع، صدای آشنا سے آشنائی رکھنے والے درد مندانِ عشق اور عاشقانِ حق کے آہ و نالہ کو اور بھی زیادہ فروغ دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس طراز اور اس ڈھنگ کی بیت یا نثر شوریدہ سر عاشق کے قفسِ تن سے طائرِ روح کو لے اڑتی ہے اور اس کا جسدِ خاکی بے جان و بے دم ہو جاتا ہے گویا اس نے ۔ "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ"، کی آسمانی ندا کو سنا ہو کہ جو کہہ رہی ہو راضيةً مرضيةً کے عالم میں اپنے پروردگار کی طرف چلے آؤ، اور بارہا آپ نے پڑھا یا سنا ہوگا:

"فَصَعِقَ هَمَّامٌ صَعْقَةً كَانَتْ نَفْسُهُ فِيهَا" [1]

اس سلسلے میں اُستاد صالح المتالہین علّامہ طباطبائیؒ (قدس سرہ) سے میں نے ایک داستان سُنی ہے۔ آپ نے فرمایا! "جب ایک مُرید نے ایک عارف کامل سے اس بات کی اجازت چاہی کہ اُنکے حضور معرفت سے بھرا ایک بیت خوبصورت لحن کے ساتھ پڑھا جائے تو انھوں نے جواب دیا اس صورت میں مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا، تاہم انھوں نے اس کی خواہش کا احترام کرتے

---

[1]: شرحِ نہج البلاغہ: عبدہ، خطبہ ۱۸۸

ہوئے اسے بیت پڑھنے کی اجازت دی۔ جب وہ بیت پڑھ چکا تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کی روح سوئے عرش پرواز کر گئی ہے اور وہ عرش نشینوں سے ملحق ہو گئے ہیں۔

یہ غیبی عنایت دائرہ تخلیق میں کبھی کبھی بدیعی انداز اختیار کرتی ہے جو واقعی قابلِ ستائش اور حیرت انگیز ہے، مثلاً ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ حافظ کی غزلوں کو ایک امتیاز یہ حاصل ہے کہ اُن کا ہر بیت ایک مستقل مفہوم کا حامل ہے کہ جو ظاہراً اپنے ماقبل اور مابعد بیت سے مرتبط نہیں۔

ابیات کا یہی استقلال، الگ الگ اپنے مفہوم میں فطری طور پر یہ تصور پیش کرتا ہے کہ مجموعی طور پر ان کی غزل کسی ایک مفہوم سے وابستہ نہیں، یہی تصوّر اور یہی خیال حافظ پر شاہ شجاع کے اعتراض کا سبب بنا اور حافظ نے اس کے جواب میں کہا:

"مگر اس کے باوجود حافظ کے اشعار شہرۂ آفاق ہیں اور حافظ کے رقیبوں کے شعر دروازۂ شیراز سے باہر نہیں جاتے۔"

شاعر پیشہ، تعلیم یافتہ، جو انسان مگر سبک سر اور مجرمانہ ذہنیت کا حامل شاہ شجاع اس جواب سے غضبناک ہوا اور قریب تھا کہ حافظ کی جان اس صاف گوئی سے برباد ہو جائے کہ سلطان کے بعض معتمدین کی سفارش سے یہ بلا ٹل گئی اور شاہ شجاع نے انھیں

معاف کر دیا۔ تاہم بعد میں اس نے مظہرِ اعتدال، خزانہ دارِ علم و عرفان اور اسلامی آداب واخلاق کے گنجینہ خواجہ حافظ کے لئے مختلف بہانوں سے تفتیش عقائد کا دفتر کھولا کہ جوان کے آثار کی بربادی کا سبب بنا اور اس کے خاندان والوں نے شدتِ خوف سے اس کے تمام مسودوں اور تحریروں کو ریزہ ریزہ کر دیا یا پھر پانی سے انھیں دھو ڈالا۔

البتہ یہ اعتراض بھی خواجہ پر پورا نہیں اُترتا اس لئے کہ اس کے غزل کی ہر بیت باوجود یہ کہ ایک مستقل مفہوم کی حامل ہے مگر مجموعی طور پر ان کی غرض و غایت ایک ہے۔ وہ ظاہری طور پر ابیات کے تعلقات کو توڑ کر اس میں خوبصورتی اور دلنشینی پیدا کرتے ہیں۔

یہ غیبی عنایت کبھی تجدید تخلیق کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے اور معجزہ دکھاتی ہے۔ وہ ادب پارے اور وہ جواہر معرفت کہ جنھیں طوفانِ حوادث نے گمنامی اور فراموشی میں ڈال دیا غیبی عنایتوں کے مالک اہلِ فن حضرات انھیں اپنے تعمیرِ نو کی تعمیر گاہوں میں نہایت مہارت اور احتیاط کے ساتھ تخلیقی مراحل سے گزارتے ہیں، انھیں صیقل کرتے ہیں، جِلا دیتے ہیں، رونق بخشتے ہیں اور دلنشین عبارتوں کی زنجیروں میں زینت دے کر گلے کی خوبصورت زنجیر کی طرح شاہدِ ادب و معرفت کی گردن میں پہناتے ہیں۔

بالکل اسی طرح جس طرح کہ ایک ماہرِ فن نقاش چند اصلی رنگوں کو ملا کر اس سے حیرت انگیز تصویریں بناتا ہے۔ اہلِ ہنر کی تجدید تخلیق بھی اس طرح ہوتی ہے کہ وہ متروکہ مواد سے علم و دانش کی ایک تصویر تیار کرتا ہے کہ جسے دیکھ کر اہلِ دل کا دیدۂ دل چکا چوند ہو جاتا ہے اور نگاہیں جمی کی جمی رہ جاتی ہیں۔ آگاہ ذہن جھومنے لگتا ہے: سلوک میں چستی اور چابکی آجاتی ہے اور نازک مزاجی اور آرام طلبی رندانہ وار اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔

وارث حضرتِ سیّد المرسلین امام خمینی (قدس سرہ) نے کہ جنھوں نے کہ مختلف امور اور مختلف علوم میں تخلیقی کام انجام دیئے ہیں اور جن کا ذکر اس رسالہ میں خارج از بحث ہے جن لطیف ترین معارفِ الٰہی کو اپنے سیاسی۔ الٰہی وصیّت نامہ کے ابتدائی حصّہ میں پیش کیا ہے خدا لگتی بات یہ ہے کہ وہ ان کی تجدیدِ تخلیق کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

اور جس طرح کہ اس صاحبِ کمال عارف نے اپنی غزلیات میں، مئے، جام، ساغر، پیر، دلبر، پروانہ، شمع اور سبوی عشق جیسے الفاظ استعمال کر کے وجد و کیف کی صورت پیدا کی ہے اور امید و عشق کی باتوں نے غم و اندوہ کی راہیں مسدود کر دی ہیں اور اس

کا سماع انسان کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے اسی طرح اس وصیّت نامہ کے خطبے کے الفاظ مخصوص انداز میں ایک جگہ سمٹ کر علم و دانش کے ایک نئے نقش کو اُبھارتے ہیں کہ جس کا بیت الغزل خداوندِ تبارک و تعالیٰ کا "اسم مستاثر" ہے، ملاحظہ فرمائیے:

«اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ سُبْحانَكَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ مَظاهِرِ جَمالِكَ وَ جَلالِكَ وَ خَزائِنِ اَسْرارِ كِتابِكَ الَّذى تَجَلّىٰ فيهِ الْاَحَدِيَّةُ بِجَميعِ اَسْمائِكَ حَتَّى الْمُسْتَأْثَرِ مِنْها اَلَّذى لا يَعْلَمُهُ غَيْرُكَ، وَاللَّعْنُ عَلىٰ ظالِميهِمْ اَصْلِ الشَّجَرَةِ الْخَبيثَةِ».

# باب اوّل

## اسمِ "متأثر"
## کے بارے میں روایات

گویا اس رسالہ کی بنیاد اسمِ مبارک "مستأثر" پر ہے اور اسی لئے ہم نے یہ بات کہی کہ اس خطبے کا "بیت الغزل" یہی مبارک اسم ہے جسے عالی مرتبت امام نے ایک ایسے دور میں اپنے وصیّت نامہ کے آغاز میں پیش کیا جب عرفانِ الٰہی انتہائی انجماد کے عالم میں ہے۔ امام نے اس اسم کا تذکرہ کر کے اسے گوشۂ فراموشی سے میدانِ فکر و نظر میں اتارا کہ جو فطری طور پر معرفت کے متلاشی افراد کو اس مبارک اسم کے بارے میں اسلامی کتابوں میں تحقیق و تفحص پر اُبھارتی ہے۔ اور اس رسالہ کی تحریر بھی اسی تحریک کے زیرِ اثر عمل میں آئی۔

اس سلسلے میں ہم اپنی ممکنہ کوششوں سے مَربوط روایتوں کو سامنے لاتے ہیں اور اس پر بحث و گفتگو کرتے ہیں:

۱ــــــــ امام المحدثین شیخ کلینی (رضوان اللہ تعالےٰ علیہ) نے اصولِ کافی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«انَّ اسمَاللّٰهِ الاَعظَمَ علیٰ ثَلٰثَةٍ وَ سَبعینَ حَرْفاً وَ اِنَّما کانَ عِنْدَ آصَفَ مِنْها حَرْفٌ واحِدٌ فَتَکَلَّمَ بِهِ فَخَسَفَ بِالْاَرْضِ ما بَیْنَهُ وَ بَیْنَ سَریرِ بِلْقیس حَتّی تَناوَلَالسَّریرَ بِیَدِهِ ثُمَّ عادَتِالْاَرْضُ کَما کانَتْ اَسْرَعَ مِنْ طَرْفَةِ عَیْنٍ وَ نَحْنُ عِنْدَ نامِنَالاِسْمِ الْاَعْظَمِ اِثْنانِ وَ سَبْعُونَ حَرْفاً، وَ حَرْفٌ واحِدٌ عِنْدَاللّٰهِ تَعالیٰ اِسْتَأْثَرَ بِهِ فی عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَهُ وَ لاحَوْلَ وَ لاقُوَّةَ اِلّابِاللّٰهِالْعَلِیِّالْعَظیمِ».(۱)

یعنی: خداوندِ تبارک وتعالیٰ کا اسمِ اعظم ۷۳ حروف پر استوار ہے اور آصف بن برخیا کے پاس ان حرفوں میں سے صرف ایک حرف تھا کہ جس کے ذریعے اس نے تکلم کیا۔ پس اس کے اور تختِ بلقیس کے درمیان کی زمیں بیٹھ گئی اور تختِ بلقیس ان کے ہاتھ میں آگئی اور زمین پھر سے پلک جھپکنے سے بھی پہلے اپنی اصلی حالت میں واپس آگئی اور اسم اعظم کے ان حروف میں سے ۷۲ حروف ہم اہلِ بیتؑ کے پاس ہیں اور ایک کو اللہ تعالےٰ نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے کہ جس سے

۱۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۲۳۰، باب ما اعطی الأئمہؑ من اسم اللہ الاعظم روایت ۱

اس نے اپنے علمِ غیب (یا مشیت) کو اپنے پاس چھپایا ہوا ہے، جس میں وہ مستأثر یا متفرد ہے، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم».

۲ ــــــ امام ہادی علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«اِسمُ اللہِ الأعظَمُ ثَلٰثَةٌ وَ سَبعُونَ حَرفاً» کانَ عِندَ آصف حَرفٌ واحِدٌ فتکلّمَ بِهِ فَانخَرَقَتْ لَهُ الأَرضُ فیما بَینَهُ وَ بَینَ سَبأ «فَتَناوَلَ عَرشَ بِلقیسَ حتّی صَیَّرَهُ إلیٰ سُلَیمانَ ثُمَّ انبَسَطَتِ الأَرضُ فی أقَلَّ مِنْ طَرفَةِ عَینٍ وَ عِندَ نامِنهُ اثنانِ وَ سَبعُونَ حَرفاً وَ حَرفٌ عِندَاللہِ مُستَأثَرٌ بِهِ فی عِلمِ الغَیبِ»[۱]

یعنی: "اللہ کا اسمِ اعظم ۷۳ حروف پر مشتمل ہے۔ آصف بن برخیا کے پاس اس میں سے صرف ایک حرف تھا کہ جس کے ذریعے اس نے کلام کیا، پس شہرِ سبا اور اس کے درمیان کی زمین شگافتہ ہوئی یہاں تک کہ اس نے تختِ بلقیس کو سلیمان کی خدمت میں پیش کیا اور پھر زمین پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں پھیل کر اپنی حالت پر لوٹ آئی۔ اسمِ اعظم کے ان ۷۳ حرفوں میں سے ۷۲ حرف ہم اہلِ بیتؑ کے پاس

۱۔ اصولِ کافی، جلد ۱، ص ۲۳۰، باب ما اعطی الائمہ علیہم السلام من اسم اللہ الاعظم۔ روایت ۳

ہیں اور ایک حرف کو خداوندِ تبارک وتعالےٰ نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے کہ جس سے اس کے غیب کا علم ظاہر ہوتا ہے اور اس میں وہ مستأثر یا "متفرِّد" ہے۔"

۳ ـــــ زیارتِ آل یاسین کبیرہ کہ جو امام زمانہ عج اللہ تعالےٰ فرجہ کی طرف سے ثقہ عالم جناب ابی جعفر بن بن عبد اللہ الحمیری قمی کو حاصل ہوئی ہے اس عبارت پر مشتمل ہے:

«اَللّٰھُمَّ اِنّی اَسْئَلُكَ بِاِسْمِكَ الَّذی خَلَقْتَهُ مِنْ ذاتِكَ وَاسْتَقَرَّ فیكَ فَلاٰ یَخْرُجُ مِنْكَ اِلیٰ شَیْءٍ اَبَداً»[1]

۴ ـــــ حافظ بیھقی کتاب "الاسماء والصفات" میں عبد اللہ بن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«مَن اَصابَهُ هَمٌّ اَوحُزْنٌ فَلْیَقُلْ: اَللّٰهُمَّ اِنّی عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ فی قَبْضَتِكَ ناصِیَتی بِیَدِكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضاءُكَ، ماضٍ فِیَّ حُکْمُكَ، اَسْأَلُكَ بِکُلِّ اِسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّیْتَ بِهِ نَفْسَكَ اَوْاَنْزَلْتَهُ فی کِتابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحداً مِنْ خَلْقِكَ اَواسْتَأْثَرْتَ بِهِ فی عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرآنَ رَبیعَ قَلْبی وَ نُورَ صَدْری وَ ذَهابَ هَمّی وَ جَلاٰءَ حُزْنی، قالَ رَسولُ اللّٰهِ (ص): ما قالَهُنَّ مَهْمُومٌ قَطُّ اِلاّ اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَ اَبْدَلَهُ بِهَمِّهِ فَرَحاً قالوا یا رسول الله اَفَلاٰ نَتَعَلَّمُهُنَّ؟

---

۱۔ بحار الانوار کی نئی اشاعت جلد ۱۰۲ میں اس عبارت کو مصباح الزائر سے نقل کیا ہے اور ذاتک کے بجائے (ذلك) لکھا ہے جو غلط ہے۔

قَالَ: بَلْ فَتَعَلَّمُوهُنَّ وَ عَلِّمُوهُنَّ»[۱]

یعنی: اگر کسی کو کوئی غم و حزن لاحق ہو تو وہ کہے:

خداوندا میں تیرا بندہ، تیرے بندہ کا فرزند، تیری کنیز کا پوت تیرے قبضۂ قدرت میں ہوں اور انتہائی ناتوانی کے ساتھ تیرے توانا ہاتھوں میں واقع ہوں۔ میرے بارے میں تیری قضاء عدل ہے اور تیرا حکم نافذ العمل ہے۔ میں تجھ سے ہر اس اسم کے وسیلہ سے کہ جو تیرے لئے معین ہے اور جس سے تو نے اپنے آپ کو موسوم کر رکھا ہے یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے یا خلق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے پاس علمِ غیب میں اس سے مستأثر ہوا ہے چاہتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے قلب کی بہار اور میرے سینے کا نور بنا اور اس سے میری کلفتوں کو دور اور میرے حزن کو برطرف فرما۔ اس کے بعد جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا دُکھی نہیں کہ جس نے ان کلمات کو ادا کیا ہو اور خداوندِ عالم نے اس کے دُکھ کو برطرف نہ کیا ہو اور اس دکھ درد کے عوض اسے خوشی اور مسرّت عطا نہ کی ہو، لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ کیا ہم اسے سیکھ کر ہم ذہنوں میں محفوظ کر سکتے ہیں:؟

---

۱۔ الاسماء والصفات، ص ۶-۷

آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ"۔

اس سلسلے میں مزید معلومات اور مزید روایات حاصل کرنے کے لئے آپ ان اخبار و آثار سے رجوع کر سکتے ہیں جو ذیل کی اس آیت کے ضمن میں آئے ہیں:

«قَالَ الَّذِی عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ اَنَا آتِیكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ یَرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ»[۱]

اس کے علاوہ بعض روایتوں میں اسمِ مستأثر لفظ "استیثار" کے بغیر دوسری تعبیروں کے ساتھ آیا ہے جس کی مثال ہمیں زیارت آلِ یاسین میں ملتی ہے جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

---

۱۔ (سورۂ نمل۔ آیت ۴۰)

# باب دوم

اسمِ مُستأثر سے متعلق "کافی" کی منقولہ روایات کا رُخ اسی اسمِ اعظم ہی کی طرف ہے کہ جو ۷۳ حرف پر مشتمل ہے اور جن میں سے ایک حرف حضرت سلیمان "علی نبینا وآلہ وعلیہ السّلام" کے بھانجے اور وزیر حضرت آصف بن برخیا کے پاس تھا کہ جس کے ذریعے کلام کر کے انھوں نے ملکہ سبا بلقیس کے تخت کو پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں سلیمان کے حضور پیش کر دیا تھا۔ ظاہراً روایات میں "حرف واحد" کی تعبیر "علم من الکتاب" کی دوسری عبارت ہے کہ جو نمل کے مبارک سورہ میں آئی ہے جس میں آصف کے مقام کی منزلت اور اس عنایت کی

ستائش کے ساتھ ساتھ جو انھیں علم من الکتاب سے ملی، عنایت کی تقلیل اور بے مقداری کو ظاہر کیا گیا ہے کہ جو نسبت کے حوالے سے کل علم کتاب کی طرف اشارہ کرتا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے بعض اصحاب سے اس نکتہ کی وضاحت کی ہے جسے صاحبِ کافی نے سدیر سے نقل کیا ہے:

«قالَ: کُنتُ اَنا وَ اَبُوبَصیرٍ وَ یَحْییٰ البزّازُ وَ داؤدُبْنُ کَثیرٍ فی مَجْلِسِ اَبی عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلامُ اِذْخَرَجَ اِلَیْنا وَ هُوَ مُغْضَبٌ فَلَمّا اَخَذَ مَجْلِسَهُ قالَ: یا عَجَباً لِاَقْوامٍ یَزْعُمُونَ اَنّا نَعْلَمُ الْغَیْبَ، مایَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، لَقَدْ هَمَمْتُ بِضَرْبِ جارِیَتی فُلانَةَ فَهَرَبَتْ مِنّی فَما عَلِمْتُ فی اَیِّ بُیُوتِ الدّارِ هِیَ قالَ سَدیرٌ: فَلَمّا اَنْ قامَ مِنْ مَجْلِسِهِ وَ صارَفی مَنْزِلِهِ دَخَلْتُ اَنا وَ اَبُوبَصیر وَ مُیَسِّرٌ وَ قُلْنالَه: جُعِلْنا فِداکَ بِسَمِعْناکَ وَ اَنْتَ تَقُولُ کَذا وَ کَذافی اَمْرِ جارِیَتِکَ وَ نَحْنُ نَعْلَمُ اَنَّکَ تَعْلَمُ عِلْماً کَثیراً وَ لانَنْسِبُکَ اِلیٰ عِلْمِ الْغَیْبِ قالَ: فَقالَ: یا سَدیرُ: اَلَمْ تَقْرَءِالْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: بَلیٰ، قالَ: فَهَلْ وَجَدْتَ فیما قَرَأْتَ مِنْ کِتابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: «قالَ الَّذی عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْکِتابِ اَنَا آتیکَ بِهِ قَبْلَ اَنْ یَرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ» قالَ: قُلْتُ: جُعِلْتُ فِداکَ قَدْ قَرَأْتُهُ، قالَ: فَهَلْ عَرَفْتَ الرَّجُلَ؟ وَ هَلْ عَلِمْتَ ماکانَ عِنْدَهُ مِنْ عِلْمِ الْکِتابِ؟ قالَ: قُلْتُ: اَخْبِرْنی بِهِ قالَ: قَدْرُ قَطْرَةٍ مِنَ الْماءِ فِی الْبَحْرِ الْاَخْضَرِ فَما یَکُونُ ذٰلِکَ مِنْ عِلْمِ الْکِتابِ؟ قالَ، قُلْتُ: جُعِلْتُ فِداکَ ما اَقَلَّ هٰذا فَقالَ: یا سَدیرُ ما اَکْثَرَ هٰذا اَنْ یَنْسِبَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

اِلیَ الْعِلْمِ الَّذی اُخْبِرُکَ بِهِ یا سَدیرُ، فَهَلْ وَجَدْتَ فیما قَرَأْتَ مِنْ کِتابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَیْضاً: «قُلْ کَفیٰ بِاللّٰهِ شَهیداً بَیْنی وَ بَیْنَکُمْ وَ مَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْکِتابِ.» قالَ: قُلْتُ: قَدْ قَرَأْتُهُ جُعِلْتُ فِداکَ قالَ: اَفَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْکِتابِ کُلُّهُ اَفْهَمُ اَمْ مَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْکِتابِ بَعْضُهُ؟ قُلْتُ: لا، بَلْ مَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْکِتابِ کُلُّهُ قالَ: فَاَوْمَأَ بِیَدِهِ اِلیٰ صَدْرِهِ، وَ قالَ: عِلْمُ الْکِتابِ وَاللّٰهِ کُلُّهُ عِنْدَنا، عِلْمُ الْکِتابِ وَاللّٰهِ کُلُّهُ عِنْدَنا»[۱]

**وہ کہتے ہیں :**

میں ابوبصیر، یحییٰ بزاز اور داؤد بن کثیر امام جعفر صادق علیہ السّلام کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ آپ غصّے کی حالت میں ہمارے پاس تشریف لائے اور بیٹھنے کے بعد کہا:

مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم علمِ غیب جانتے ہیں، سوائے خدا کوئی علمِ غیب نہیں جانتا، میں نے چاہا کہ اپنی کنیز کو تنبیہ کروں وہ بھاگ کر کسی کمرے میں چھپ گئی اور مجھے معلوم نہیں اس نے کس کمرے میں اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔

سدیر کہتے ہیں جب آپ اُٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے تو میں، ابوبصیر اور میسر آپ کے پاس پہنچے اور عرض کی:

---

۱۔ اصولِ کافی، جلد ۱، ص ۲۵۷، حدیث ۳

ہماری جانیں آپ پر قربان ہم نے کنیز کے بارے میں آپ کی باتیں سنیں حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے پاس وافر علم ہے تاہم آپ کو علمِ غیب سے نسبت نہیں دیتے :

آپؑ نے فرمایا :

اے سدیر کیا تو نے قرآن پڑھا ہے ؟

میں نے کہا ہاں مولا پڑھا ہے ۔

آپؑ نے فرمایا :

کیا قرآن میں تم نے یہ آیت پڑھی ہے ؟

" وہ شخص جس کے پاس کتاب کا ایک مختصر علم تھا اس نے کہا میں پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں تمھارے لئے اس کو (یعنی بلقیس کے تخت کو) لاتا ہوں "۔ ۱

میں نے عرض کی : ہاں مولا، فرمایا : کیا تجھے اس علم والے شخص کی پہچان ہے ؟ اور کیا تو یہ جانتا ہے کہ اس کے پاس کتاب کا کتنا علم تھا؟ میں نے عرض کی نہیں مولا آپ فرمایئے: آپؑ نے کہا دریائے خضر میں پانی ایک بوند کے برابر علمِ کتاب سے اس کی نسبت کتنی ہو گی ؟ میں نے عرض کی : میری جان

۱۔ سورہ نمل آیت ۴۱

آپ پر قربان، بہت کم ہو گی، آپؑ نے فرمایا: اے سدیر وہ علم کتنا ہوگا جسے ابھی میں تمھیں بتانے والا ہوں اور خداوندِ عالم اس کو کسی سے نسبت دے۔ کیا قرآن پڑھتے ہوئے تم نے یہ آیت بھی دیکھی ہے؟

"قل کفی باللّٰہ شہیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب"

جس میں خداوندِ عالم جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے منکرینِ رسالت سے کہو کہ میری رسالت پر خدا اور اس شخص کی گواہی کے بعد جس کے پاس کتاب کا مکمل علم ہے تمھارے انکار کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اور یہی گواہی ہمارے لئے کافی ہے اور بس:

سدیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: جی، میری جان آپؑ پر قربان میں نے یہ آیت پڑھی ہے، آپ نے فرمایا کیا جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہو وہ زیادہ اعلم اور افہم ہے یا وہ کہ جو کچھ حصّے کا علم رکھتا ہو؟

میں نے عرض کی:

نہیں، پوری کتاب کا علم رکھنے والا زیادہ اعلم و افہم ہے۔ پس آپؑ نے سینے کی طرف اپنے مبارک ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: خدا کی قسم کُل کی کُل کتاب کا علم ہمارے پاس ہے،

خدا کی قسم ہم کل کی کل کتاب کے علم کے حامل ہیں۔

## اسمِ اعظم کیا ہے؟

اس سلسلے میں لوگوں کے مختلف آراء واقوال ہیں اور جو بات سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اسمِ اعظم خداوندِ تبارک تعالیٰ کے ملفوظہ اسماءِ حُسنیٰ میں سے ایک لفظی اسم ہے کہ جو بھی اس سے واقفیت حاصل کرے گا اس کے ذریعے اس کی ہر حاجت پوری ہوگی اور یہ عجیب تاثیر اس اسم کے حروف میں پوشیدہ ہے کہ جنھیں ایک پُراسرار ترکیب کے ساتھ عمل میں لایا گیا ہے یعنی خاص ترکیب کے ساتھ مخصوص مواد، غیر معمولی آثار کو جنم دیتے ہیں۔

اس نقطۂ نظر پر تمام اصحابِ عزائم، تمام جادو، سحر، ٹونے ٹوٹکے کرنے والوں اور اسرارِ حروف کے علماء کا اتفاق ہے، ان کا خیال ہے کہ مظاہرِ کمال اسماء، عالم علوی کے ارواح اور ستارے ہیں اور حروف کے رموز اثرات اسماء میں جاری ہیں اور اس بنیاد پر مذکورہ رموز واثرات ایک نظام کیمطابق کائینات میں بھی نافذ ہیں، اُن کے نزدیک اس علم کا نیتجہ وماحصل

یہ ہے کہ وہ عالمِ طبیعت میں ربانی نفوس پر ان اسمائے حسنیٰ اور ان کلماتِ الٰہی کے ذریعے تصرف کریں جو حروف کی ترکیب سے بنتے ہیں اور یہ حروف کائنات میں جاری وساری اسرار پر محیط ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے حروف میں موجود رازِ تصرف کی کیفیت اور ماہیت میں اختلاف کیا ہے:

ان میں سے ایک گروہ نے مزاجِ حاصل میں رازِ تصرف ——— حروف کی ترکیب مانا ہے اور اسی خیال کے تحت انھوں نے حروف کو عناصرِ اربعہ میں بہ اعتبار طبائع تقسیم کیا ہے اور ہر طبیعت یا ہر مزاج میں حروف کی ایک صنف رکھی ہے کہ جو فطرت میں عملی طور پر حروف کی اس صنف سے نمودار ہوتی ہے اور اسی لئے حروف کو اس قاعدہ کے تحت جسے اصطلاح میں اکسیر کا نام دیا گیا ہے بادی، آتشی، آبی اور خاکی چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ان میں ایک دوسرا گروہ رازِ تصرف یا تسخیر کے عمل کو دائرہ حروف میں اعداد کی نسبتوں سے مستند کرتا ہے اور کہتا ہے:

ابجد کے حروف، وہ بہ اعتبار طبع ہوں یا بہ اعتبار وضع ان اعداد پر دلالت کرتے ہیں جنھیں عام طور پہ ان سے مختص

کیا گیا ہے اور اس رو سے اعداد میں تناسب کے سبب حروف میں بھی ایک مستقل تناسب وجود میں آتا ہے اور کبھی یہ لوگ حروف کے اسرار کو اعداد کے اسرار کے ساتھ ملاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے دعوؤں پر دلیل کا لانا خواہ وہ اطمینان بخش کیوں نہ ہوں دشوار طلب ہے اور آپ مزید معلومات کے لئے انکی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اسمِ اعظم کے لفظی ہونے کے بارے میں ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: اسمِ اعظم، قرآنِ مجید کے بعض سوروں کے ابتدائی حصّے میں آنے والے حروف مقطعات میں مستور ہے اور اس کی دلیل وہ اس روایت سے دیتے ہیں کہ جب کبھی مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو آپ اس طرح دُعا فرماتے تھے:

" یَا کٓھٰیٰعٓصٓ یَا حٰمٓعٓسٓقٓ " اور سعید بن جبیر شہید فرماتے تھے: ان حروف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ جن کے ترکیب کی کیفیت سے ہم واقف نہیں اور اسمِ اعظم انہی کے درمیان ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی ترکیب سے ہم واقف ہیں جیسے " راء " " حم " اور " ن " کہ جنکو ملانے سے رحمن بنتا ہے لیکن اسمِ اعظم اس قسم میں نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا اسمِ اعظم "ہو" ہے اور اس کی کامل تعبیر وقتِ دُعا: "یاھو یا من لاھو الاھو" میں ملتی ہے جیسے شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتابِ توحید میں امام محمد باقر علیہ السلام سے اس طرح روایت کی ہے کہ: جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: جنگِ بدر سے ایک رات پہلے میں نے حضرت خضر علیہ السّلام کو خواب میں دیکھا اور ان سے چاہا کہ وہ مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم فرمائیں کہ جس سے میں دشمنوں پر غالب آجاؤں۔ آپ نے فرمایا کہو: "یاھو یا من لاھو الاھو" جب صبح ہوئی تو میں نے اپنے اس خواب کو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، آپؐ نے فرمایا: یا علیؑ تم نے اسمِ اعظم سیکھا ہے کہ: اور جنگِ بدر میں یہ ذکر میری زبان پر جاری رہا ہے:

بعضوں کا کہنا ہے کہ: اعظمِ اسماء وہی "اللہ" کا مبارک اور بزرگ و برتر لفظ ہے اور اپنے اس دعوے میں انھوں نے ایسی دلیلیں پیش کی ہیں کہ جس سے کوئی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ان اقوال و آراء کی طرح اور بھی افکار و نظریات ہیں کہ جن میں معقول

ترین قول اس گروہ کا دکھائی دیتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ: اللہ کا کوئی اسم، اعظم ہونے کے سلسلے میں متعین نہیں بلکہ اسماءِ حُسنیٰ میں سے ہر وہ اسم کہ جس کا تعلق بندے کی حاجت سے ہے اور وہ اسے ذریعہ التجا بنا کر اس میں مکمل انہماک پیدا کرے تو وہی اسم اس کے تناسب حال اور حاجت کے مطابق اسم اعظم ہے، اس لئے کہ اسم وہ کلمہ ہے کہ جو مخصوص حروف کے ساتھ ترکیب پاتا ہے اور اپنے مسمیٰ کے لئے وضع ہوتا ہے اور مسمیٰ کا ہر جز واعتباری ہے اور اس بناء پر اسم کی بزرگی اور کرامت مسمیٰ سے ہے اور ظاہر ہے کہ اسماءِ حُسنیٰ کا مدلول و مسمیٰ خداوندِ تبارک وتعالےٰ کی ذات ہے۔ پس ہر وہ اسم کہ جو کسی پہلو سے بندے کی ضرورت کے ساتھ ہم سنخ اور اس کی حاجت برآوری سے مرتبط ہے وہی اسم ظرف اور شخص کی نسبت سے اسم اعظم ہے، اور روایت ہے کہ:

"کسی شخص نے امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے خواہش کی کہ اسے اسمِ اعظم تعلیم فرمائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اٹھو اور اس حوض میں جاکر غسل کرو تاکہ تمھیں اسمِ اعظم سکھاؤں اس شخص نے امام کی اطاعت کی اور حوض میں اُتر کر غسل کیا اور جب پانی سے باہر آنا چاہا تو امام نے اپنے اصحاب کو اشارہ کیا

کہ اسے حوض سے باہر نکلنے نہ دیں۔ وہ حوض کے جس حصے سے بھی باہر نکلنا چاہتا تھا امام کے اصحاب اسے روکتے تھے اور اسے پھر پانی میں گرا دیتے تھے اور اس کے رحم کی ہر درخواست مُسترد کر دیتے تھے یہاں تک کہ اُسے یقین ہوگیا کہ وہ اس طرح اُسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ جب وہ تمام فطری اسباب سے مایوس ہوگیا اور اضطرار کی کیفیت اس میں پیدا ہوئی تو اس نے خدائے مجیب المضطرین کی طرف پوری توجہ اور انہماک سے رجوع کیا اور اس کی بارگاہ میں تضرع اور عجز وانکساری و نیاز سے پیش آیا۔ جب ان لوگوں نے اللہ کے حضور اس کی گریہ وزاری اور تضرع کو سُنا تو اُسے پانی سے نکال کر کپڑے پہنائے اور اسے سنبھلنے کی مہلت دی اور جب وہ اچھی طرح اپنی پہلی حالت پر واپس آیا۔ تو اس نے امام سے عرض کی کہ اب اسے اسمِ اعظم تعلیم فرمائیں۔

امامؑ نے فرمایا۔

اسمِ اعظم تو تم نے سیکھ لیا اور اس کے ذریعے خدا کو پکار بھی لیا اور خدا نے تمہاری سُن بھی لی اور تمہیں پانی سے بھی نجات دی۔

اس نے کہا وہ کیسے؟

امامؑ نے فرمایا:

اللہ کا ہر اسم پوری طرح عظمت کا حامل ہے البتہ انسان جب

اس کا نام لیتا ہے اور اس کا قلب ماسوی اللہ سے متصل رہتا ہے تو پھر اس نام سے اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مگر جب وہ اللہ کے کسی نام کا ذکر کرتا ہے اور غیر خدا سے اپنے آپ کو منقطع کر لیتا ہے تو وہی نام اس کے لئے اسمِ اعظم بن جاتا ہے۔ جب تمھیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہم تمھیں مار دیں گے تو تمھارے دِل میں اللہ کے فضل پر یقین کے سوا اور کچھ نہ تھا اور یہی وہ کیفیت ہے کہ جس میں تم جو بھی اسم پڑھو گے وہی اسم، اسمِ اعظم ہو گا۔[1]

اس رائے کو معقول ترین رائے سمجھے کا سبب یہ ہے کہ یہ رای دلیل و برھان کے ساتھ قابل تطبیق ہے اس لئے کہ اس منزل پر یہ دلیل قائم ہے کہ علیت و معلولیت اور "آثار و تاثر" وجود کا ایک حصّہ ہے اور علت و معلول کے درمیان مزاج کی یکسانیت ضروری ہے۔ اس محکم برھانی اصول کی بنیاد پر اگر ہم اسم میں لفظ مفروض ہی کو معتبر جانیں تو ظاہر ہے کہ وہ مسموعہ کیفیات کے زمرہ میں آئے گا اور اس سے صرف زبانی اور کلامی اذکار سرزد ہوں گے اور اگر ہم اس کے مفھوم و معنی کو مدِ نظر رکھیں تو اس میں ذہنی صورت پیدا ہو گی اور اس کا شمار کیفیاتِ نفسانیہ میں ہو گا کہ جو مآلاً "عرض" ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی

---

۱۔ شرح الاسماء (لوامع البینات فی شرح اسماء اللہ تعالیٰ والصفات) تالیفِ رازی، ص ۸۹-۸۸

آواز یا کوئی صورت جس کا تعلق ہمارے اعراض اور معلول سے ہے ہر ممکنہ امر پر غالب نہ آئے اور مثلاً پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں ملکہ سبا بلقیس کے تخت کو یمن سے شام نہ پہونچا دے۔

جی ہاں اللہ کے اسماء حُسنیٰ خاص طور پر اسم اعظم، عالم کون و مکان میں بہت مؤثر ہیں، لیکن بہ نحو اعداد یعنی ان اسمٰا مبارکہ کا ان کے مسماء میں مکمل انہماک کے ساتھ ورد پڑھنے والے کے نفس کو مستعد اور اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے مطلوب تک پہنچنے کے لئے فاعل تام سے گزرے بالکل اسی طرح جس طرح کہ استجابتِ دُعا میں ہم نے اس پر بحث کی ہے۔

پس خداوندِ تبارک و تعالیٰ کے اسم کا مسمیٰ اس کے فیض پر فاعلِ "مؤثر" ہے اور ان اسماء حُسنیٰ کے ساتھ لفظی تکلم کا دار و مدار صرف اعداد پر ہے اور بس، وہ بھی غیر خدا سے مکمل طور پر کٹ کر انتہائی انہماک اور اغراق میں اللہ کی طرف رجوع یا توجہ کی شرط کے ساتھ۔

تاہم اسماء الہیٰ، اسمِ اعظم اور اسکی صفات کے بارے میں صحیح اور محکم رائے ان افکار و نظریات سے مختلف ہے کہ جو اہلِ کلام و جدل کے درمیان پائے جاتے ہیں اور وہ اہلِ معرفت کی رائے ہے

کہ جیسے دلیلیں کمک فراہم کرتی ہیں۔ لیکن اسماء اور صفاتِ حق تعالےٰ کے بارے میں اہلِ بحث یعنی اہلِ کلام، اہلِ فلسفہ اور اہلِ عرفان کی شناخت کے اصول ہم کو ہمارے مقصد سے قریب تر کرتے ہیں اس لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اجمالی طور پر ہم ان لوگوں کے سلسلے میں اشارہ کرتے چلیں:

# باب سوم

## زبان کا کردار اور اس کی اہمیّت

# زبان کا کردار اور اسکی اہمیّت

ہر قوم کی زبان ایک بلند و بالا برج کی حیثیت رکھتی ہے کہ جس کی بلندی سے اس قوم کے عقائد، نظریات اور مقاصد کو پہچانا جاسکتا ہے اور ان کے بہت سے اصولوں کے بارے میں رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ ہر قوم کی زبان، اس قوم کے ادبی، فنّی، منطقی، عرفانی اور علمی صورت عمل کا بنیادی محور ہو جاتی ہے اور یہ جس قدر بھی اس میں معنویات اور انسانی صفات کی فراوانی ہو گی اور مقاصد کو بہتر اور مؤثر انداز میں پیش کرے گی اسی قدر اس کی بقا میں طوالت پیدا ہو گی اور قوم کو اس سے دوام حاصل ہو گا اور وہ

حوادث کے مقابل زیادہ پائیدار اور زیادہ مستحکم ہو گی۔

جب ہم بڑی قوموں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے اور فنیقی، قبطی، آشوری، کلدانی، آرامی، یونانی ایرانی اور اسی طرح کی اور قوموں پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ طوفانی حوادث نے ان میں سے بیشتر کی جڑیں اکھاڑ دی ہیں اور اب زمین پر ان کا نشان بھی باقی نہیں رہا ہے صرف ان کا نام تاریخ میں یادگار کے طور پر باقی بچا ہے۔ لیکن تاریخ کے اسی سفر میں ہمیں ایسی قومیں بھی ملتی ہیں کہ جو ان تباہ کن حادثات کے باوجود اپنی جگہ مضبوط اور مستحکم رہی ہیں۔

اہلِ روم نے اپنی عسکری طاقت، جنگی ساز و سان اور وحشی سپاہیوں اور حکمرانوں کی صلابت و مہارت سے علم و ہنر اور فلسفہ وادب کی سرزمین، یونان پر لشکر کشی کی اور ایک عظیم قیصری حکومت قائم کی کہ جس نے چکّی کی طرح یونانی قوم کو پیس ڈالا لیکن اسی عظیم قوم کی حکمت، ہنر، ادب، اخلاق اور منطق بھری زبان تھی کہ جس نے بالآخر رومیوں کی عسکری طاقت پر اپنا سکّہ جمایا اور اہلِ روم نے اہلِ یونان کی ثقافت کو اپنایا اور اس کے ادب، فلسفہ، آرٹ اور تہذیب و تمدن کے تابع ہو گئے اور یہی صورت مغلوں اور بعد میں تیموریوں کی رہی کہ جو سنگدلی اور سفّاکی کے اعتبار سے تاریخ میں ضرب المثل ہیں ایران پر حملہ کے بعد آخر کار وہ فارسی کی میٹھی اور دھوم مچانے

والی زبان کے گرویدہ ہوئے یہاں تک کہ ان فاتحین میں سے ، ہندوستان ہجرت کرنے والے بعض لوگوں نے اپنے دارالہجرہ کو عرفان اور ذخائرِ صلح وصفا سے لبریز فارسی ادبیات سے آراستہ کیا اور پھر سبکِ عراقی اور سبکِ خراسانی کی طرح فارسی شاعری میں ایک خاص سبک، سبک ہندی کے نام سے جنم دیا اس لئے کہ یہ بلیغ زبان ایک زندہ موجود کی طرح نشوونما بالیدگی اور جدید افکار کے انعکاس کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ ماحول پر منطبق ہونے کی خاصیت بھی رکھتی ہے اور دنیا کی تمام زندہ زبانوں کی یہی کیفیت ہے اور جو زبانیں مر کھپ گئیں اور دنیا میں اس کا نام ونشان نہیں رہا وہ ان خصوصیات سے عاری تھیں۔

بہرحال ہر قوم اور ہر ملت کی زبان ایک کشادہ دروازہ ہے جو ان کی ثقافت اور ان کے عقائد وافکار کی طرف کھلتا ہے اور جس قدر بھی وہ ادب وعرفان سے مالامال ہوگی اور فصاحت وبلاغت کے جوہر سے مزّین ہوگی اور نئے افکار اور نئے علوم کو جنم دیگی اسی قدر وہ اپنے قوم اور اپنی ملّت کے بقاء میں دخیل ہوگی۔

یہ بات بڑی صاف ہے کہ ہر قوم میں اہلِ فن اور اہلِ علم و عرفان کی ایک خاص زبان ہوتی ہے۔ جس میں کہ خاص اصطلاحات کا دخل ہوتا ہے اور اس زبان اور ان اصطلاحات کو سمجھے بغیر

کوئی بھی ان کے مقاصد سے کماحقہ واقف نہیں ہو سکتا، اس اعتبار سے فنِ معارف والھیات ایک خاص امتیاز اور خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ جس کو اس فن کے جاننے والے ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں تاہم اس علم سے تعلق رکھنے والے خاص لوگوں کے درمیان بھی ایک جیسی اصطلاحات پائی نہیں جاتیں یہاں تک کہ بات رموز و اشارات تک پہنچتی ہے اور ہم اسماء اور صفاتِ الٰہی کی بحث میں ان کے اصطلاحات کی طرف مختصر طور پر اشارہ کرتے ہیں اور ان میں سے بعض اہلِ کمال کی رمز گوئی اور اشاراتی راز کو بیان کرتے ہیں۔ اس ضمن میں جس پہلی شخصیت کی عبارت کو ہم نے مناسبِ حال جانا وہ بلند پایہ حکیم اور تحقیق کی راہ پر گامزن متکلم، جناب ملا عبدالرزاق لاہیجی مرحوم ہیں کہ جس کو انھوں نے اپنی گرانقدر کتاب "گوہرِ مراد" میں تحریر فرمایا ہے:

## اسماء الٰہی اور اسمِ اعظم کے بارے میں لاہیجانی کی عبارت

"جان لو کہ خارجی موجودات میں جو بھی جوہر اور قائم بالذات ہو اسے ذات کہا جاتا ہے اور جو "عرض" اور قائم بہ غیر ہو اسے

صفت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر اس لفظ کو کہ جو کسی ذات پر دلالت کرے اور اپنے مفہوم میں مستقل ہو اسے اسم کہا جاتا ہے جیسے: رجل، زید وغیرہ اور جو لفظ کہ کسی صفت سے متصف ہو کر (خصوصیات کے ساتھ) کسی ذات پر دلالت کرے اسے صفت کہتے ہیں جیسے قائم، ضارب، احمر، ابیض وغیرہ لپس ذات اور صفت معانی اور مفہومات میں اور اسم اور صفت، الفاظ اور عبارات میں ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور خداوندِ تبارک وتعالےٰ کے بارے میں وہ لفظ کہ جو ذات کو دیکھے بغیر تنہا صفت پر دلالت کرے اسے صفت کہتے ہیں جیسے علم، قدرت، ارادت وغیرہ اور یہ الفاظ غیر واجب الوجود میں صفت نہیں ہوں گے بلکہ ان کے معانی کو صفتِ مقابلِ ذات کہا جائے گا اور جو لفظ کہ ذات پر بہ اعتبار صفت دلالت کرے یعنی جس لفظ کو سابقہ اصطلاح میں دوسروں کے لئے مقابل اسم قرار پانے والی صفت کہا جاتا تھا اب وہ ذاتِ واجب الوجود کے لئے اسم ہو جائے گا جیسے عالم، قادر، مُرید، وغیرہ، پس علم، قدرت، ارادت، مشیت اور حیات وغیرہ جیسے الفاظ، صفاتِ اللہ اور عالم، قادر، مُرید، شائی اور حی جیسے الفاظ اسماء اللہ ہوں گے۔ لہٰذا جو چیزیں واجب ہیں اسماء ہوتی ہیں غیر واجب میں صفات ہو جاتی ہیں لیکن واجب میں اسم

اور غیرِ واجب میں صفت کے درمیان ایک فرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ صفت کے مفہوم میں ذات، غیرِ واجب میں بطریق ابہام و اجمال معتبر ہے نہ بر سبیلِ تعیّن و تفصیل، مثلاً مفہوم قائم ہماری ذات ہے کہ جو اس قیام کی صفت سے ماخوذ ہوگی اور خارجی رُو سے مفہوم ہوگا کہ وہ ذات مثلاً زید کی ذات ہے اور اسمِ واجب کے مفہوم میں معین ذات معتبر ہے مثلاً عالم کے مفہوم میں کہ جو اللہ کا ایک اسم ہے معتبر، معین ذات ہے کہ جو صفتِ علم سے ماخوذ واجب الوجود کی ہستی ہے اور یہی صورت قادر، حی وغیرہ کی بھی ہے اور بعید نہیں کہ اس فرق کا وجود تسمیہ میں مغایرت کا سبب بنا ہو اور اسماء" اللہ" میں ایک اسم ہے کہ جو غیر واجب میں بجای عَلَمُ ہے اور وہ لفظ " اللہ" ہے کہ جو تمام صفاتِ کمال پر مشتمل واجب الوجود کی ذات کے لئے وضع ہوا ہے۔ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ یہ اسم بجائے اسمِ عَلَمُ ہے یہ نہیں کہا کہ وہ عَلَمُ ہے اس لئے کہ مفہومِ عَلَمُ میں ذات معین ہے بغیر کسی صفت اور بغیر کسی معنیٰ کے اور اسم " اللہ" میں تمام صفات کے ساتھ معتبر ذات معین ہے۔

پس اسماء اللہ اور باقی تمام پہچان کے طریقوں میں فرق اعتبار صفت اور عدم اعتبار صفت کا ہے اور اسم " اللہ" اور باقی تمام اسماء الٰہی میں فرق، تمام صفات اور بعض صفات کے اعتبار

کا ہے۔ پس تمام اسماء اللہ درحقیقت اسم اللہ ہی کی تفصیل ہیں اس لئے تمام اسماء الہیٰ میں سب سے بزرگ و برتر نام "اللہ" ہے[1]

یہ اور اس جیسے اسماء کہ جو واجب الوجود کے لئے استعمال ہوتے ہیں ملفوظہ اسماء ہیں کہ اہلِ کلام، اہلِ حدیث اور اہلِ فلسفہ، اسماء اللہ سے متداول ان ہی کا قصد کرتے ہیں اور باقی تمام لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں مگر اصحابِ معرفت اور اہلِ قلوب نے اس مسئلہ کو کسی اور طرح بیان کیا ہے۔

## اہلِ معرفت کے نزدیک اسمِ باری تعالیٰ اور حقیقتِ صفت

اہلِ اللہ کہتے ہیں علم، بطورِ مثال، کہ جو حضرت واجب الوجود کی صفات سے ہے تعیّن علم میں حقیقت الوجود سے عبارت ہے اور عالم کہ جو حضرت واجب الوجود کے اسماء میں سے ایک اسم ہے تعیّنِ علم کو نظر میں رکھ ذاتِ واجب الوجود سے عبارت ہے۔ پس حقیقتِ صفت اور اسمِ باری تعالےٰ ان لوگوں کی اصطلاح میں وہی حقیقتِ وجود اور باری تعالےٰ کی ذاتِ

---

۱۔ گوہرِ مراد۔ باب دوم۔ مقالہ دوم

مقدّسہ ہے۔ تاہم لفظِ علم اور عالم اسم صفت اور اسم ہے، اور یہی صورت باقی تمام اسماء اور صفات کی ہے "کُلّ یومٍ ھو فی شان" خداوندِ تبارک وتعالیٰ اپنے مراتب اور تجلیات کے مطابق اسماء اور صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کا حامل ہے۔ اور اس گفتگو سے یہ مسئلہ حل ہوجاتا ہے کہ "اسم عینِ مسمّٰی ہے یا اس کا غیر ہے؟"

## بعض علوم کے بارے میں مشکلات اور دشواریاں

بعض اوقات کچھ ایسے علوم اور معانی سامنے آتے ہیں کہ جن کی سطح اتنی بلند اور اعلیٰ ہوتی ہے کہ اپنے مخصوص مروّجہ مفہوم میں لوگوں کے لئے قابلِ فہم نہیں ہوتے اور نئے رنگ روپ اور نئی صورت کے حامل ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ لوگوں کے سامنے بیان ہوتے ہیں تو لوگ ان سے دور بھاگتے ہیں اور ان کا انکار کرتے ہیں۔ آئمہ معصومین علیہم السّلام کی بہت سی روایتیں ایسی ہیں جو اس موضوع کے سلسلے میں آئی ہیں انھوں نے بعض علوم کی دشواری اور صعوبت کے سلسلے میں تصریح کی ہے چنانچہ اصولِ کافی میں «فیما جاءَ اَنَّ حَدیثَھُمْ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ»

کے عنوان سے ایک باب قائم ہوا ہے اور ہم یہاں اس باب سے صرف ایک روایت کو نقل کرتے ہیں:

امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

«قال رسول الله صلی الله علیه و آله:

اِنَّ حَدیثَ آلِ مُحَمَّدٍ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لایُؤْمِنُ بِهِ اِلاّ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ اَونَبیٌّ مُرْسَلٌ اَوعَبْدٌ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهُ لِلایمانِ، فَماوَرَدَ عَلَیْکُم مِنْ حَدیثِ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ فَلانَتْ قُلُوبُکُمْ وَ عَرَفْتُمُوهُ فَاقْبَلُوهُ، وَ مَا اشْمَأَزَّتْ مِنْهُ قُلُوبُکُمْ وَ اَنکَرْتُمُوهُ فَرُدُّوهُ اِلَی اللّٰهِ وَ اِلَی الرَّسُولِ وَ اِلَی الْعالِمِ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ وَ اِنَّمَاالْهالِكُ اَن یُحَدِّثَ اَحَدُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْهُ لایَحْتَمِلُهُ فَیَقُولُ: وَاللّٰهِ ماکانَ هٰذا وَاللّٰهِ ماکانَ هٰذا، وَالْاِنْکارُ هُوَالْکُفْرُ» ١

اور پھر بصائر الدرجات کے حوالے سے امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ حَدیثَنا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ ذَکْوانٌ اَجْرَدُ لا یَحْتَمِلُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَ لا نَبیٌّ مُرْسَلٌ وَ لا عَبْدٌ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهُ لِلایمانِ اَمَّا الصَّعْبُ فَهُوَالَّذی لَمْ یُرْکَبْ بَعْدُ وَ اَمَّا الْمُسْتَصْعَبُ فَهُوَالَّذی یُهْرَبُ مِنْهُ اذا رُایَ وَ اَمَّا الذَّکْوانُ فَهُوَ ذَکاءُ الْمُؤْمِنینَ وَ اَمَّا الْاَجْرَدُ فَهُوَ اَلَّذی لا یَتَعَلَّقُ بِهِ شَیْءٌ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لا مِنْ خَلْفِهِ وَ هُوَ قَوْلُ اللّٰهِ: «اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدیثِ فَاَحْسَنُ الْحَدیثِ حَدیثُنا

---

١ : اصولِ کافی. جلد ١ - ص ٤٠١

لایَحْتَمِلُ اَحَدٌ مِنَ الْخَلائِقِ اَمْرَهُ بِكَمالِهِ حَتّی یَحُدَّهُ لِاَنَّهُ مَنْ حَدَّ شَیْئاً فَهُوَ اَکْبَرُ مِنْهُ، والحمدلِلهِ عَلَى التَّوفیقِ وَالإنْکارُ کُفرٌ».

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام علیہ السّلام نے علم و عرفان پر مشتمل احادیث کو صعب اور مستصعب دو قسموں میں تقسیم کیا ہے، صعب اس دشوار صورت کو کہتے ہیں کہ جو رام ہونے والی نہ ہو اور مستصعب وہ کہ جس سے سُنکر انسان پچھلے پاؤں لوٹ جائے۔

صدوق علیہ الرحمہ "عیون اخبار الرضا" علیہ آلاف التحیۃ والثناء میں ایک طویل خبر کے اندر یزید بن سلیط کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السّلام سے اُس "عمامہ۔ سیف۔ کتاب۔ عصا اور انگوٹھی کی حقیقت کے بارے میں کہ جو ائمہ علیہم السّلام کے پاس ہے"، سُنا آپ نے فرمایا:

«اَمَّاالعِمامَةُ فَسُلْطانُ اللهِ تَعالیٰ عَزَّوَجَلَّ، وَ اَمَّاالسَّیْفُ فَعِزَّةُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اَمَّاالْکِتابُ فَنورُاللهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اَمَّاالْعَصا فَقُوَّةُاللهِ عَزَّوَجَل وَ اَمَّاالْخاتَمُ فَجامِعُ هٰذِهِ الاُمور... ثُمَّ قالَ: یا یَزیدُ اِنَّها وَدیعَةٌ عِنْدَكَ فَلا تُخْبِرْبِها اِلاّ عاقِلاً اَوْعَبْداً اِمْتَحَنَ اللهُ قَلْبَهُ لِلایمانِ»[1]

مقصد یہ ہے کہ: عمامہ، تلوار، کتاب، چھڑی اور انگوٹھی۔ سلطان اللہ اور عزۃ اللہ..... وغیرہ"، جیسی اصلی حقیقتوں کیلئے ایک

---

۱: عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۵:

غلاف اور پردہ ہے کہ جس میں انھیں چھپا دیا گیا ہے:

سخن در پوست می گویم کہ جان این سخن غیبست

نہ در اندیشہ می گنجند نہ آنرا گفتن آسان است

یہ تمام حقیقتیں لوگوں کے فہم کے مطابق تعبیر ہوئی ہیں اور ان رموز و اشارات کو ہر کسی نا اہل کے سامنے نہیں کھولنا چاہیئے اس لئے کہ ایسا کرنے سے فتنے جنم لیتے ہیں۔

امام علیہ السلام کا یہ بیان انبیاء اور اوصیاء علیہم السّلام سے وارد ہونے والے اس طرح کے آثار و احادیث کے رموز و تاویلات کی گتھیاں سُلجھانے کے لئے ایک چابی ہے اور تاویلِ احادیث کا علم خداوندِ تبارک و تعالےٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے کہ جسے وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرماتا ہے اور یہ عظیم ہستیاں تعلیماتِ الٰہیٰ کے پرتو میں ان غلاف اور پردوں کو سَرکا کر حقیقتوں کا انکشاف کرتی ہیں۔

قال اللہ تبارک و تعالےٰ:

«وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحٰادِيثِ» ۱

حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنے والد حضرت یعقوب ؑ کو اپنا خواب سُنایا تو آپ نے اس کی تعبیر کی اور فرمایا:

"یقیناً خداوندِ تبارک و تعالےٰ تمھیں اپنا برگزیدہ بندہ بنائے

---

۱ : سورۂ یوسف، ۶

گا اور تمھیں تاویلِ احادیث کا علم دے گا"۔

خداوندِ تبارک وتعالےٰ کی یہی مہربانی تھی کہ جس کے ذریعے حضرت یوسف نے سلطانِ مصر کے خواب کی حقیقت کو آشکار کیا اور اس پردے کو سرکایا جو اس پڑی ہوئی تھی۔

## تعلیم الہیٰ پر اہل اللہ کی تدریس اور رموز اور اشاروں میں ان کی گفتگو کا سبب

خداوند تبارک وتعالےٰ جس طرح آفاق میں اہلِ اللہ کو اپنی آیتوں کی ایک صورت دکھاتا ہے اسی طرح ان کے انفس میں بھی دوسری صورت کو اُجاگر کرتا ہے۔

قالِ اللہ تبارک وتعالےٰ:

«سَنُرِیهِمْ آیاتِنا فِی الْآفاقِ وَ فِی أَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ أَنَّهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهیدٌ» ۱

اس مشروب کے لوگ راہِ دل سے تعلیم الہیٰ کے ذریعے قرآن کے باطن اور آغاز و انجام کے راز سے واقف ہوتے ہیں اور چونکہ ان کو حاصل ہونے والا علم ظاہر بینوں کے لئے نیا اور

---

۱ : سورۂ فصّلت / ۵۳

انوکھا ہوتا ہے اور ان کے علم و فہم سے میل نہیں کھاتا اس لئے وہ انھیں یا تو اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں یا پھر انہیں اشاروں اور کنایوں میں بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے کوئی فتنہ سر نہ اٹھائے اور وہ ظاہر بینوں کی تکفیر اور ایذار سانیوں سے محفوظ رہیں۔ اسرار و رموز کا اشاروں میں بیان بالعموم ظاہر بینوں کے لئے کوئی بہانہ فراہم نہیں کرتا اور کسی پر تہمت کے دروازے کھلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ حضرت صدیقہ جناب مریم علیہا سلام نے افترا پردازوں سے اپنی نجات کے لئے فقط اشاروں پر اکتفا فرمایا:

"فاشارت الی المھد" اور اگر وہ کوئی بات یا کوئی کلام کرتیں تو اہلِ غرض اور بیمار ذہنوں کے لئے بہانہ کا سامان فراہم کرتیں اور ممکن تھا لوگ حقیقت سے عاری بلکہ نامعقول باتوں کو ان سے نسبت دیتے اور نامناسب جھوٹ کو ان پر مناسب کرتے۔

## غیر اہل اللہ پر ان تعلیمات کا بھاری ہونا جنھیں اہلِ اللہ نے اللہ سے حاصل کیا ہے

عام لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ تعلیم و تدریس، اہلِ علم حضرات کی باتوں سے اکتساب اور کتابوں کی چھان بین عالم بننے کا ایک

رائج طریقہ ہے انھوں نے تعلیم کو صرف انھیں طریقوں میں منھ جانا ہے لیکن درحقیقت یہ سوچ ایک ایسا ضخیم پردہ ہے کہ جو انسان کو پستی اور گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سوچ نے انھیں اس علم لدنی پر یقین سے محروم کر دیا ہے جس کا معلم خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے "**علمناہ من لدنا علما**" [1] کی مبارک آیت کی برکتوں کو اختتام پذیر جانا ہے اور ہر وہ بات جو ان کے لئے نئی ہوتی ہے یا ان کے مانوسات سے مطابقت نہیں رکھتی وہ یا تو اسے رد کر دیتے ہیں :

«وَ ما یَأتیهِمْ مِنْ ذِکْرٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلاّ کانُوا عَنْهُ مُعْرِضین» [2]

یا اس کا مذاق اڑاتے ہیں :

«ما یَأتیهِمْ مِنْ ذِکْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ اِلاّ اسْتَمَعُوهُ وَ هُمْ یَلْعَبُونَ» [3]

اور چونکہ اہلِ اللہ، وارثانِ سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ) ہیں اور آپ کی سیرت کی بھرپور پیروی کرتے ہیں اس لئے حق کا اظہار ان کے لئے ناگزیر ہوتا ہے لیکن

«اِنّا مَعاشِرَ الأنْبیاءِ اُمِرْنا اَنْ نُکَلِّمَ النّاسَ عَلیٰ قَدْرِ عُقُولِهِم» [4]

---

۱ : سورۂ کہف آیت ۶۵
۲ : سورۂ شعراء آیت ۵
۳ : سورۂ انبیاء آیت ۲
۴ : اصول کافی ج ۱ ۔ ص ۔ ۲۳

کی مراعتوں کے ساتھ،

یعنی انبیاء الٰہی اس بات پر مامور ہیں کہ حقائق کو لوگوں پر ظاہر کریں لیکن اس ابلاغ و بیان کی کیفیت میں لوگوں کے عقول اور افہام کو بھی مدِ نظر رکھیں اور ان مراعتوں کے ساتھ اپنی بات ان تک پہنچائیں مختصر یہ کہ یہ دستور العمل ابلاغ و بیان کی کیفیت سے متعلق ہے حقائق کی کمیت سے نہیں۔

بہر حال اہلِ اللہ اور اربابِ قلوب قرآن کے بطون اور آغاز و انجام کے رموز سے تعلیماتِ الٰہی کے ذریعے واقف ہوتے ہیں اور چونکہ یہ واقفیت اور یہ دریافت ایک نئی بات ہوتی ہے اس لئے اس کے غیر کے لئے اس کا ماننا بھاری ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات بہت سے علماء اور فقہا کے لئے بھی یہ امر دشوار ہوتا ہے۔

مرحوم آیت اللہ العظمیٰ آقائے سیّد محسن حکیم رضوان اللہ علیہ نے "کفایت الاصول" کے حاشیہ پر "مشترک لفظ کے ایک سے زیادہ مفہوم میں استعمال" کی بحث میں "فائدہ" کے عنوان سے ایک حکایت بیان کی ہے۔ اس منزل پر اس کا ذکر انتہائی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

" اکابرین (دام تائیدہ) میں سے کسی نے ایک نیا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ایک دن ہم فقہائے عظام کے ساتھ جس میں سیّد اسماعیل

صدر، حاجی میرزا حسین نوری صاحب مستدرک اور سیّد حسن صدر دام ظلہ بھی شامل تھے مرحوم آخوند مُلّا فتحعلی قدس سرہ کے گھر میں حاضر تھے۔ آخوند مُلّا فتحعلی مرحوم نے:

«وَاعْلَمُوا اَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللّٰهِ لَوْيُطِيعُكُمْ فِى كَثِيرٍ مِنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّم وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيمٰانَ ...» ١

کی آیت تلاوت کی اور پھر اس میں (حبب الیکم الایمان» کے جملے کی تفسیر شروع کی اور اپنی مفصل گفتگو میں وہ مفاہیم بیان کئے جسے سُنکر فقہائے عظام حیرت زدہ ہو گئے اس لئے کہ اس سے پہلے انھوں نے یہ باتیں نہیں سُنی تھیں لہٰذا انھوں نے جناب آخوند سے ایک بار پھر اس کی وضاحت چاہی اور آپ نے پھر اس کی توضیح کی۔

دوسرے دن وہ پھر اُن کے گھر حاضر ہوئے۔ آخوند نے پھر اسی جملہ کو موضوع بحث بنایا اور اس کی تفسیر میں مزید نئے مفاہیم پیش کئے جس سے کہ ان علماء کو اور بھی زیادہ تعجب ہوا اور انھوں نے پھر ان توضیحات کو دہرانے کی فرمائش کی۔ آخوند نے عادتاً ان کی فرمائش پوری کی۔

اس کے بعد وہ پھر تیسرے دن اس عالم ربانی کے حضور

---

١: سورہ حجرات آیت ٧

جمع ہوئے۔ اس عظیم ہستی نے پھر آیت کے اسی ٹکڑے کو اپنی بحث کا عنوان قرار دیا اور اس کے بارے میں پہلے اور دوسرے دن سے بھی زیادہ انوکھی باتیں بتائیں۔ یہ سلسلہ اسی طرح ۳۰ دن تک جاری رہا اور ہر روز نئی نئی باتیں اور نئے نئے مفاہیم سامنے آتے رہے۔ اور ہر آنے والا دن گزرے ہوئے دن سے زیادہ لطیف مفاہیم کو ساتھ لاتا تھا اور مفاہیم کا یہ نیاپن علماء کو مجبور کرتا تھا کہ وہ، دو دو دفعہ ایک ایک بات کی توضیح چاہیں۔ اس عظیم مفسر آخوند مُلّا فتحعلی قدس سرہ مرحوم کے لئے انتہائی ثقہ اور قابلِ اطمینان افراد نے بڑی کرامتوں کا ذکر کیا ہے[1]۔"

## قرآن کے باطن اور اسکے چھپے ہوئے راز کے مراتب اور دِل کی راہ سے انھیں حاصل کرنے کی شرط

یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ:

«سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَ فِي أَنْفُسِهِمْ»

کی مبارک آیت جناب رسالتمآب ؐ کی اس حدیث کا مآخذ ہو جس میں آپؐ نے فرمایا:

---

۱: حقائق الاصول جلد اوّل

«اِنَّ لِلقُرْآنِ ظَهراً وَ بَطْناً وَ لِبَطْنِهِ بَطْناً اِلیٰ سَبْعَۃِ اَبطُنٍ»

یعنی قرآن بھی انسانوں کی طرح ظاہر و باطن رکھتا ہے اور اس کے چھپے ہوئے راز کے مراتب انسان کے باطن اور اس کے چھپے ہوئے راز کے مراتب کی طرح ہے کہ جو اس کے نفس، سینے، قلب، عقل، روح اور خفیٰ اور اخفیٰ میں منقسم ہوا ہے اور ان باطنی مدارج کی طرف عروج کی شرط فطرت یا سرشت سے انسان کا تجرد اور آیات کبریٰ کے مشاہدہ کی غرض سے بیتِ قالب و تن سے اللہ تبارک و تعالےٰ کی طرف اس کی مہاجرت ہے کہ جہاں شروع میں ایمان اور معرفت کے نور میں تابندگی پیدا ہوتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس میں قوت آتے لگتی ہے اور پھر اس سے روح قدسی جنم لیتی ہے اور اس روح قدسی کے پرتو میں زمین و آسمان اور آغاز و انجامِ ہستی کے اسرار اس صاحب روحِ قدسی پر نمایاں ہوتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح کہ دائرۂ احساس میں آنے والے نور سے یہ محسوس دنیا نمایاں ہے:

«سنریھم... و فی انفسھم».

نوع بشر کے ارواح اور قلوب اپنی اصلی فطرت کے مطابق حکمت اور ملکوت کے نور کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسماء الہٰی سے تدریس کی استعداد اسے تفویض ہوئی ہے

البتہ خود بینی، خود خواہی اور کفر و معصیت کے حجاب، ارواح و قلوب کو بگاڑ دیتے ہیں تاہم ہر وہ نفس کہ جو ہوا و ہوس کی تاریکیوں اور طبع و مادہ کی گرفت سے اپنے آپ کو آزاد کر لیتا ہے اور قبلۂ ملکوت اور حق کی سمت اپنی توجہات کو مبذول کرتا ہے تو اس پر سرِّ ملکوت کی تجلی ہوتی ہے اور وہ قدسِ لاہوت کے انعکاس کا مرکز بن جاتا ہے اور باری تعالٰے کی آیتوں کے عجائب اس کے مشاہدہ میں آتے ہیں اور وہ قرآنی معارف کو ان بلندیوں سے سیکھتا ہے اور یہ وہ مقام تعلیم ہے کہ جس میں کسی غلطی اور کسی اشتباہ کو راہ نہیں۔

دِل کی راہ سے «... و فی انفسهم» تعلیمِ الہیٰ کے ذریعہ قرآنی معارف کا حصول انسان کے لئے اس وقت ممکن ہوتا ہے جب وہ عالم خلق سے کٹ کر عالمِ امَر و تجّرد سے وابستہ ہو جائے اور بدن کے قبر کی مٹی اور غبار، اور نفسانی خواہشات کو اپنے سر اور باطن سے جھاڑ دے۔ ایسا انسان مقاماتِ باطن کے ہر منزل میں ایک نئے مفہوم کو حاصل کرتا ہے اور قرآنی موضوعات میں سے ہر موضوع پر اپنے مخاطب اور سُننے والے کو اس کی عقل کے مطابق ایک نئی تفسیر پیش کرتا ہے۔

# قرآنِ کریم کے مقامات اور درجات

و قوله تعالی:

«اِنَّهُ لَقُرْآنٌ کَرِیمٌ فی کِتَابٍ مَکْنُونٍ لَایَمَسُّهُ اِلَّاالْمُطَهَّرُونَ، تَنزِیلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِین» ۱

اسی تفاوت پر قرآنی بطون کی دلالت ہے اسلیئے کہ یہ اوصاف کہ جو اپنی بَرتری میں کرامت عند اللہ اور کمتری میں اس عالم میں تنزیل ہے مجموعی طور پر قرآن کے مقامات اور درجات مطابق ہیں اور ان میں سے بعض مقامات وہ ہیں کہ جن میں ملائکہ کے قلم سے دمِ تحریر نکلنے والی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔

باطن قرآن کا علم، فکر و قیاس یا پھر تقلید و روایات و سماع سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک لدّنی علم ہے جو غیب سے حاصل ہوتا ہے بہ ایں معنا کہ «یَتَلَقَّی الْقُرآنَ مِنْ لَدُنْ حَکِیمٍ عَلِیمٍ» یا پھر انسان اسے خداوندِ تبارک و تعالےٰ کے اذن سے غیب سے متصل «مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِین» (یعنی پیغمبرِ خدا) سے سُنتا ہے۔

مختصر یہ کہ انسان کی طرح، قرآن کے بھی درجات اور مقامات ہیں کہ جس میں اسکا سب سے کمترین درجہ اس کی جلد اور غلاف ہے۔ قرآنِ مجید کے ہر مرتبہ اور ہر مقام میں اس سے کچھ لوگ

---

۱۔ سورۂ واقعہ آیت ۸۰۔۷۷

وابستہ ہیں کہ جو اس مرتبہ اور مقام کے حامل ہیں اور ان میں حفّاظِ کرام کا نام بھی آتا ہے اور وہ فقہائے کرام بھی آتے ہیں کہ جنھوں نے برسہابرس مختلف فنون میں زحمتیں جھیلیں اور اپنی عمر جہد و تلاش میں صرف کی اور استنباط کا مقدس ملکہ ہوائے نفس کی مخالفت اور اعراضِ دنیا کی شرط کے ساتھ انھیں عطا ہوا اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جو سیاسیات، عبادات اور معاملات پر مشتمل قرآنی احکام کے پاسدار ہیں۔ دوسرے الفاظ میں:

یہی وہ مراجع ہیں کہ جن کے ہاتھوں میں اسلامی معاشرے کی باگ ڈور ہے اور جو قضاء اور فتوے کے امور کے جاری کرنے والے ہیں۔ گاہے اس درجہ اور مقام کے بعض افراد نے حدث وحدوث سے تطہیر اور زمان و مکان کی آلودگی سے دوری اختیار کرنے کے سبب اپنی تکریم میں اضافہ کیا ہے اور ماوراء کی سمت ہجرت کی ہے اور اس درجہ پر متمکن ہوئے ہیں کہ جس پر قرآن کا غیب اور باطن چھایا ہوا ہے اور اس طرح "مطہرون" کی وراثت اور اُن سے الحاق کا فیضان انھیں ملا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود قرآن کی وہ اصل اور بنیاد ابھی موجود ہے کہ جس کے بارے میں سوائے خدا اور کوئی نہیں جانتا مگر یہ کہ کوئی اپنے آپ کو مقامِ احدیت میں فنا کرلے۔ اور یہ منزل جناب رسولِ خدا ؐ

کی ہے کہ جنھوں نے اپنے اس فنا کی ان الفاظ میں خبر دی ہے :

«لی مَعَ اللّٰهِ وَقتٌ لاٰ یَسَعُنی فیهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَ لاٰ نَبیٌ مُرْسَلٌ».

احدیت کا مرتبہ کہ جس کے سامنے تمام اسماء وصفات ہیچ ہیں قرآنِ عظیم اس کو جِلا بخشتا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کی طرف جناب سید المرسلین ص کے وارث امام خمینی رح نے اپنے خطبے کے آغاز میں ارشارہ فرمایا ہے :

«تَجَلّی فیهِ الأَحَدیَّةُ بِجَمیعِ اَسمٰائِكَ حَتَّی المُسْتٰأثَرِ مِنْهاٰ»

اور اس مختصر رسالہ کی غرض و غایت اسماء الہیٰ میں اِسم مُستأثر کی مناسبت اور موقعیت کی طرف اشارہ ہے اس کی تفسیر و توجیہہ نہیں۔ گزشتہ میں ہم گفتگو کے جن مراحل سے گزرے اور جنھیں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ وہ ہمارے لئے ناگزیر تھی۔ ہم اپنے اس سفر میں تیزی سے گزرنا چاہتے تھے، اور قرآنِ مجید کے اجمالی بطون سے ہمارے اس عجولانہ اور تیز رفتارانہ سفر میں ہمارے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ہم اسماء حسنائے الہیٰ پر رک کر منزل کرتے تاہم ان مراحل کے اجمالی بیان کے بعد اور اسماء الہیٰ کی مقدس منزل میں ہم نے اپنے کوچ کے ارادے کو اقامت میں بدل دیا اور اسی اقامت گاہ میں ہم اسماء الہیٰ کے درمیان اسم مستأثر کی موقعیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں،

اور اس اشارہ میں ہمارے لئے قابلِ اعتبار وہ افادات ہیں کہ جنھیں جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفِ صدق نے اپنے بعض تالیفات میں پیش کیا ہے۔ وللہ در القائل:

«وَ لَوْ لَا اللُّطْفُ وَالْإِفْضَالُ مِنْهُ       لَمَا طَابَ الْحَدِيثُ وَ لَا الْكَلَامُ»
«وَ كُلُّ لَطِيفَةٍ وَ ظَرِيفِ مَعْنىً       حَبِيبِي فِيهِ وَاللّٰهُ الْإِمَامُ»

# باب چہارم

## عرفاء اور اللہ کے اصطلاحات کے بارے میں امام خمینیؒ کے عقائد و نظریات

# عرفاء اور اہل اللہ کے اصطلاحات کے بارے میں امام خمینی قدس سرہ کے عقائد و نظریات

شرحِ فصوصِ قیصری میں، جہاں قیصری، عرفاء کے اصطلاحات کی توجیہ کے لئے حقیقت وجود میں "«بشرط لا ولا بشرط و بشرط شی» کے اعتبارات[1] کو اخذ کرتے ہیں وہاں وارثِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی مرتبت امام قدسِ سرہ اپنی تعلیقات

۱۔ اعتبارات تصوّف کی اصطلاح میں وہ حیثیت یا منزل ہے کہ جسے خداوند تبارک وتعالیٰ نے مقرر اور متعین فرمائی ہے اور اس کا اطلاق تجلیات اور تعینات پر آتا ہے۔

یا حواشی میں اس اخذِ قیود کو، خاص طور پر حقیقتِ وجود پر وارد ہونے والے اعتبارات کو رد شدہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں:

«فَإنَّ الإعْتِبارَ وَالاَخْذَ وَاللِّحاظَ وَ غَيْرَهـا مِنْ اَمْثالِها مِنْ لَواحِقِ الْماهِيّاتِ وَالطَّبائِعِ وَ لاتَمْشى فى حَقيقَةِ الْوُجُودِ بَلْ ماهُوَالْمُصْطَلَحُ عِنْدَ اَهْلِ اللهِ لَيْسَ إلاّ نَتيجَةَ مُشاهَداتِهِمْ وَالتَّجَلِّياتِ الْوارِدَةِ عَلىٰ قُلُوبِهِمْ وَ بِعِبارَةٍ اُخرىٰ هٰذِهِ الإصْطِلاحاتُ إمّا نَقْشَةُ تَجَلِّياتِ الْحَقِّ عَلَى الأسْماءِ وَالاَعْيانِ وَالاَكْوانِ، اَوْتَجَلِّياتِهِ عَلىٰ قُلُوبِ اَهْلِ اللهِ وَ اَصْحابِ الْقُلُوبِ وَ مُشاهَداتِهِمْ اِيّاهُ. فَيُقالُ: إنَّ الْوُجُودَ إمّا اَنْ يَتَجَلّىٰ بِالتَّجَلّى الْغَيْبِيِّ الأحَدِيِّ الْمُسْتَهْلِكِ فيهِ كُلُّ الأسْماءِ وَالصِّفاتِ وَ هٰذَاالتَّجَلّى يَكُونُ بِالإسْمِ «اَلْمُسْتَأثَرِ» وَالْحَرْفِ الثّالِثِ وَالسَّبْعينَ مِنَ الإسْمِ الأعْظَمِ. فَهُوَ مَقامُ بِشَرْطِ اللاّئِيَّةِ فَفى هٰذَاالْمَقامِ لَهُ إسْمٌ إلاّ اَنَّهُ مُسْتَأثَرٌ فى عِلْمِ غَيْبِهِ، وَ هٰذَاالتَّجَلّي هُوَالتَّجَلِي الْغَيْبِيِّ الأحَدِيِّ بِالْوِجْهَةِ الْغَيْبِيَّةِ لِلْفَيْضِ الأقْدَسِ وَ اَمّاالذّاتُ مِنْ حَيْثُ هِيَ فَلاَ تَتَجَلّىٰ فى مِرْآتٍ مِنَ الْمَرائى وَ لايُشاهِدُها سالِكٌ مِنْ اَهْلِ اللهِ وَ لامُشاهِدٌ مِنْ اَصْحابِ الْقُلُوبِ وَالاَوْلِياءِ فَهِيَ غَيْبٌ لاٰ بِمَعْنَى الْغَيْبِ الأحَدِيِّ بَلْ لاٰ إسْمَ لَها وَ لاٰ رَسْمَ وَ لاٰ إشارَةَ إلَيْها وَ لاٰ طَمَعَ لاِحَدٍ فيها «عنقا شكار كس نشود دام باز گير»

وَ إمّا اَنْ يَتَجَلّى بِاَحَدِيَّةِ جَمْعِ جميع حَقائِقِ الأسْماءِ وَالصِّفاتِ فَهُوَ مَقامُ إسْمِ اللهِ الأعْظَمِ رَبِّ الإنْسانِ الْكامِلِ وَالتَّجَلّي الْعِلْمِيُّ بِطَريقِ

الكَثرَةِ الأسمائيّةِ الجامِعَةِ لِجَميعِ الكَثَراتِ الأسمائيّةِ هُوَ مَقامُ الواحِديّة.

"اعتبار، اخذ، لحاظ اور ان جیسی تعبیرات، ماہیتوں اور طبیعتوں کے لواحق سے ہیں اور یہ خود ماہیتیں اور طبیعتیں، اعتباری امور میں سے ہیں اور حقیقت الوجود میں شارح کے «بشرط لا و لابشرط و بشرط شی» کے اعتبارات کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں اہلِ اللہ کے نزدیک جو چیز مصطلح ہے وہ ان مشاہدات اور تجلیات کا نتیجہ ہے جو ان کے قلب پر وارد ہوتے ہیں اور بس۔ دوسرے لفظوں میں یہ اصطلاحات یا تجلیات حق کا عمل، اسماء، اعیان اور اکوان پر ہے یا اہلِ اللہ اور اہلِ قلوب کے قلبوں پر اور ان کے مشاہدات خداوندِ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہیں اور اس حقیقت کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ:

وجود یا تو احدی غیبی تجلی سے کہ جس کے سامنے تمام اسماء وصفات مغلوب اور ناقابلِ ذکر ہیں متجلی ہوتا ہے اور یہ تجلّی اس اسمِ "مُستاثر" سے واقع ہوتی ہے کہ جو اسمِ اعظم کا تریپنواں حرف ہے اور "بشرطِ لائی" کا مقام یہی ہے اور اس مقام پر حق سُبحانہ تعالیٰ کے لئے ایک اسم معین ہے کہ جسے کوئی نہیں جانتا اور خداوندِ عالم کی ذات اس علم میں

متفرد ہے اور یہ وہ مقدس نام ہے کہ جس میں خداوندِ تبارک وتعالےٰ کے غیب کا علم پوشیدہ ہے اور سوائے اس کے اور کوئی اسے نہیں جانتا اور یہ تجلی وہی احدی غیبی تجلی ہے کہ جو ذاتِ احدیت کے عالمِ غیب سے نمودار ہوتی ہے، البتہ حق تعالےٰ بہ اعتبارِ ذات کسی آئینہ میں متجلی نہیں ہوتا اور اہلِ اللہ میں سے کوئی رہروِ راہِ حق اسے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا اور تمام اولیاء اور اصحابِ قلوب اسے دیکھنے سے عاجز ہیں اس لئے کہ وہ غیبِ مطلق ہے مگر غیبِ احدی کے مفہوم میں نہیں بلکہ اس کے لئے کوئی اسم ورسم نہیں اس کی طرف کسی اشارہ کا امکان نہیں، اس کی ذات میں حرص وطمع کی راہ سب کے لئے مسدود ہے۔ "عنقا شکار کس نشود دام بازگیر"

"یا پھر وجود، تمام اسماء وصفات کے حقائق کی احدیت سے جلوہ گر ہوتا ہے اور انسانِ کامل کے رب کے اسم اللہ الاعظم کا یہی مقام ہے اور یہ علمی تجلی، کہ جو اس کثرتِ اسماء کی راہ سے متجلی ہوتی ہے جس میں تمام اسماء کی کثرتیں مجتمع ہیں، مقام واحدیت کہلاتی ہے۔"

اسی طرح کا ایک اعتراض امام قدس سرہ نے علم اصولِ فقہ سے متعلق "مطلق ومقید" کی بحث میں حضرت آیت اللہ

العظمیٰ آقائے حسین بروجردی پر کیا ہے اور ہم محترم قارئین کی وسعتِ قلب پر اعتماد کرتے ہوئے اس مقام پر اس کے تذکرہ کو مناسب سمجھتے ہیں۔

مرجعِ عالی قدر آیت اللہ بروجردی نے مذکورہ گفتگو میں "لابشرط، بشرطِ شئ اور بشرطِ لا" کے اعتبارات کے تذکرہ کے بعد کہ جو ماہیت پر وارد ہوتے ہیں اور " لابشرطِ مقسمی اور قسمی" میں تمیز اور ان کی توجیہ کے بعد نیز اس اختلاف کو پیش کرنے کے بعد کہ "کلّی طبیعی" "لابشرطِ مقسمی ہے یا "مقسمی"؟ فرمایا ہے:

"اعتباراتِ ثلٰثہ کے مطابق اقسام ثلٰثہ میں ماہیت کی تقسیم سے متعلق قوم کی غرض وغایت اس قسم کا تعیین ہے کہ جو "کلّی طبیعی" کے وصف کو پیش کرتی ہو اور یہ بھی بتاتی ہو کہ کیا "کلّی طبیعی" کا خارجی وجود بھی ہے کہ نہیں؟ اس لئے انھوں نے جب یہ دیکھا کہ ممکن ہے ماہیت خود تنہا ذہن میں وجود پذیر ہو اور ممکن ہے کسی قید کے ساتھ اس کا وجود عمل میں آئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قید کے ساتھ کہ کوئی چیز اُس کے ہمراہ نہ ہو ذہن میں اس کا وجود آئے تو مجبوراً انھیں یہ احتیاج لاحق ہوا کہ وہ ان اقسام ثلٰثہ کے بارے میں بحث وتحقیق کریں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ان میں سے کون کلیّت کی تعریف میں پورا اترتا ہے اور اقسامِ ثلٰثہ

میں وہ کون سی قسم ہے کہ جس کے خارجی وجود کے بارے میں اختلاف ہے؟ اس بناء پر یہ مذکورہ تقسیم خود ماہیت کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ تقسیم ماہیت کے لئے ظرفِ لحاظ میں ہے کہ جو وصفِ کلیت کے لئے ظرف عروض ہے۔ پس یہ مذکورہ تقسیم اولاً اور بالذات خود لحاظ اور اعتبار کے لئے گویا ایک ذہنی وجود ہے اور ثانیاً اور بالعرض ماہیت سے منسوب ہے"

حضرت امام قدس سرہ جب اس مذکورہ مبحث پر پہونچے تو کسی کا نام لئے بغیر اپنے اس جلیل القدر مرجع کے اظہارِ نظر کو مختصراً بیان کیا اور اسے قابلِ قبول نہیں جانا آپ نے اس نوٹ کے مطابق جسے میں نے ان کی تقریر سے اپنے سلیقے کے مطابق لکھا اس صاحبِ نظر کے اعتراض میں کچھ اس طرح فرمایا:

"میں ہرگز بحث و تمحیص کے ان اکابر و اعاظم کے بارے میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ ایک دوسرے کے گرد جمع ہو کر اپنے سالہائے زندگی کو ایک ایسی چیز میں برباد کریں کہ جس کا کوئی اعتبار نہ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی اصل ہو اور زادگاہ ڈھونڈو تو وہم و خیال اس کا موطن ہو۔

بلکہ ان اکابرین اصحابِ برہان کے جملوں میں غور و فکر کے

بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا مقصد ان باتوں سے بلند تھا اور چونکہ ان کا علمی موضوع "وجود" تھا اور مسائل اور احکامِ وجود ان کے پیشِ نظر تھا۔ لہٰذا احکام وجود کی بحث نے مجبوراً انہیں اس مقام تک پہنچایا کہ موجودات کو انھوں نے مختلف پایا اس طرح کہ ان میں بعض کے درمیان تبدیلی آسکتی ہے اور ممکن ہے وہ اپنے غیر میں تبدیل ہو جائیں مثلاً غذا کہ جو ایک غیر نامی جسم ہے ممکن ہے ایک خاص برتن میں خاص شرائط کے ساتھ ایک نامی موجود بن جائے اور پھر اس مرحلہ سے گزر کر حیوانیت اور پھر انسانیت میں تبدیل ہو جائے۔

ان اکابرین نے اس بحث میں اپنی تدبیر اور مخصوص باریک بینی کے ذریعے یہ یقین کر لیا کہ ہر قابل و مقبول کے درمیان ایک حقیقی اور خارجی نسبت ہے کہ وہ ربط و نسبت ان کے غیر کے لئے نہیں۔ مثلاً روٹی کہ جو ایک غذائی مادہ ہے اس میں اور نطفگی کی صورت میں جو نسبت ہے وہ نسبت روٹی اور شجری صورت کے درمیان نہیں ہے۔ پس مفروضہ غذائی مادہ میں نطفہ بننے کی استعداد اور قوّت موجود ہے اور جب مربوط شرائط میں یہ قوّت و استعداد فعلیّت پاتا ہے اور اس سے نطفہ عمل میں آتا ہے تو فطری طور پر استعداد اور نطفگی کی طاقت فنا ہو جاتی ہے

لیکن اب اسی فعلّیت پانے والے نطفہ میں علقہ اور اسی طرح مضغہ اور آخر میں انسان بننے کی قوّت اور صلاحیت موجود ہوتی ہے اور اسی بناء پر غذائے مادہ، نطفہ بالفعل کی نسبت "بشرط لا" ہے یعنی اب اس سے نطفہ کی صورت عمل میں نہیں آتی، اس لئے کہ فعلیت اختیار کرنے کے بعد نطفہ بننے کی قوّت ختم ہوجاتی ہے اور غذائی مادہ مجموعی طور پر اس صورت کے ساتھ جس میں نطفگی پائی جاتی ہے "بشرط شی" ہے۔ لیکن آئندہ صورتوں کی نسبت یعنی علقہ، مضغہ حیوانی اور انسانی صورتوں میں "لابشرط" ہے اور یہی لابشرط قسمی ہے اور ہیولیٰ کہ جو مادۃ المواد ہے "لابشرط مقسمی" ہے۔ پس یہ تمام اقسام کہ جو خارج از اذہان ہیں اصحابِ برہان کے فن میں تدبر کی رو سے حقیقت موجود ہیں۔ صرف اعتبار اور لحاظِ ذہنی نہیں ہیں جیساکہ وہ سمجھے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں: یہ اقسام جن کا ہم نے ذکر کیا ہے عینی اور خارجی وجود کی قسموں میں سے ہیں خواہ وہ اعتبار کے مرحلہ میں ہوں کہ نہ ہوں۔

تاہم اقسام کی تثلیث کا راز یہ ہے کہ کسی چیز کا کسی چیز میں الحاق، ان تین نسبتوں سے باہر نہیں ہے کیوں کہ الحاق یا ممتنع

ہے، یا وجوب اور ضرورت کا عنصر اس میں شامل ہے یا پھر ممکن ہے اور یہ وہی " بشرط لا، بشرط شئی اور لا بشرط" کے اقسام ثلثہ ہیں کہ جنھیں ترتیب کے ساتھ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور امتناع، ضرورت اور امکان یہی مواد ثلثہ ہیں۔

بہر حال امام رضوان اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ اقسام کے درمیان یہ تفاوتیں صرف اعتباری نہیں ہیں اگرچہ ماہیتوں پر وارد ہونے والے یہ تین اعتبارات بھی اپنی جگہ صحیح ہیں کیوں کہ ان کے ذریعے ماہیتوں اور احکامِ معانی کے مراعات ممکن ہوتے ہیں لیکن ان اعتبارات کی اساس، موجودات کے احکام اور ان کی ممانعت بہ اعتبار شدت و ضعف ہے۔ اس لئے کہ ایک چیز دو طرح کے وجود کی حامل ہو سکتی ہے۔ ایک وجود بالفعل اور دوسرے وجود بالقوۃ اور وجود بالفعل فنا پذیر ہے کہ جو خاص شرائط کے ساتھ زیادہ کامل وجود میں تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم اوپر مثال کے ذریعے اس بات کو واضح کر چکے ہیں۔

حکماء عظام نے وجود کے اس گھمبیر احکام کے وصول میں بڑی کوششیں کی ہیں اور بڑی جانکاہ مشقتیں اٹھائی ہیں اور یہ وہی موجوداتِ عینی کے احکام ہیں کہ جو ماہیات پر وارد اعتبارات کی

اساس ہیں نہ یہ کہ یہ کوئی من مانا امر ہو اور اس کا تعلق کسی بھی سوچ یا خیال کے تانے بانے سے ہو۔ چنانچہ شارحِ قیصری بھی اسی طرح کی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اہلِ اللہ کے اصطلاحات کی توجیہ میں انھوں نے ذیل کے اعتبارات سے تمسک کیا ہے اور اس بات کو بھول گئے کہ یہ اصطلاحات یا حقِ سبحانہ تعالیٰ کی تجلیات اسماء، اعیان اور اکوان ہوتی ہیں یا پھر ان تجلیات کا مرکز اہلِ اللہ اور اصحاب قلوب کے دِل ہوتے ہیں۔

# اسمِ مُستأثر کے بارے میں شاہ آبادی مرحوم اور امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ کے خیالات

اسرار الزکیہ حضرت امام قدس سرہ نے ابن الفناری کی مصباح الانس کے حاشیہ پر اسم مُستأثر کے متعلق اپنے عارفِ کامل استاد جناب آیت اللہ شاہ آبادی رضوان اللہ علیہ کے خیالات کو نقل فرمایا ہے جِسے ہم اس کتاب کے ذریعے آپ تک پہنچاتے ہیں:

کتابِ "مصباح الانس بین المعقول والمشہور" جناب صدرالدین قونوی صاحب "مفتاح غیب الجمع والوجود" کی

کتاب پر ایک شرح ہے کہ جس کے بعض حصوں پر حضرت امام قدس سرہ نے حاشیے تحریر فرمائے ہیں: مذکورہ کتاب میں اسماء ذات کو دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی قسم میں وہ اسم آتے ہیں کہ جن کے حکم اور اثر دونوں عالم میں معین اور شناخت شدہ ہیں اور دوسری قسم ان اسموں کی ہے جن کے حکم اور اثر نہ متعین ہیں اور نہ ان کی شناخت ہوئی ہے۔

صاحبِ کتاب اس قسم کے بارے میں یعنی قسمِ دوم کے متعلق لکھتے ہیں:

«وَ هُوَالْمُشارُاِلَیْهِ بِقَوْلِ النَّبیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ فی دُعائِهِ: اَوِاسْتَأثَرْتَ بِهِ فی عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ»

ہم اس دعا کو بیہقی کے اسماء اور صفات سے، پہلے نقل کر چکے ہیں۔

وارثِ علوم سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وعلیہم، عالی قدر امام نے اس مقام پر ایک حاشیہ تحریر فرمایا ہے کہ جسے ہم بعینہٖ نقل کرتے ہیں:

«قوله: مالَمْ یَتَعَیَّنْ لَهُ اَثَرٌ الخ، قالَ شَیْخُنَاالْعارِفُ الْکامِلُ دامَ ظِلُّهُ: اِنَّ الْاِسْمَ الْمُسْتَأثَرَ هُوَالذّاتُ الْاَحَدِیَّةُ الْمُطْلَقَةُ، فَاِنَّ الذّاتَ بِماهِیَ مُتَعَیِّنَةٌ، مَنْشَأٌ لِلظُّهورِ دُونَ الذّاتِ الْمُطْلَقَةِ اَیْ بِلاتَعَیُّنٍ وَ اِطْلاقُ الْاِسْمِ عَلَیْهِ بِنَحْوِ

مِنَ الْمُسامَحَةِ، وَالظّاهِرُ مِنْ كَلامِ الشَّيْخِ وَ تَقْسِيمِهِ الْاَسْماءَ الذّاتِيَّةَ اِلىٰ ما تَعَيَّنَ حُكْمُهُ وَ مالَمْ يَتَعَيَّنْ اَنَّهُ مِنَ الْاَسْماءِ الذّاتِيَّةِ الَّتی لامَظْهَرَ لَها فِی الْعَيْنِ.

وَ عِنْدی اِنَّ الْاِسْمَ الْمُسْتَأْثَرَ اَيْضاً لَهُ اَثَرٌ فِی الْعَيْنِ اِلّا اَنَّ اَثَرَهُ اَيْضاً مُسْتَأْثَرٌ فَاِنَّ لِلْاَحَدِيَّةِ الذّاتِيَّةِ وِجْهَةٌ خاصَّةٌ مَعَ كُلِّ شَیْءٍ هُوَ سِرُّهُ الْوُجُودِیُّ لا يَعْرِفُها اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ كَما قالَ تَعالیٰ: «ما مِنْ دابَّةٍ اِلّا هُوَ آخِذٌ بِناصِيَتِها» ۱ «وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَمُوَلِّيها ۲ » فَالْوِجْهَةُ الْغَيْبِيَّةُ لَها اَثَرٌ مُسْتَأْثَرٌ غَيْبِیٌّ تَدَبَّرْ تَعْرِفْ»:

قونوی کے «ما لَمْ يَتَعَيَّنْ لَهُ اَثَرٌ الخ» کی عبارت کے ذیل میں امام فرماتے ہیں کہ ہمارے عارف وکامل استاد دام ظلہ فرماتے ہیں: اسم (مُستأثر) وہی ذات احدیۂ مطلقہ ہے کیوں کہ ذاتِ مطلقہ کے بَرخلاف یعنی اس ذات کے برخلاف جس کا تعین نہ ہو سکے، تعین پذیر ذات منشاء ظہور ہے اور اس پر اسم کا اطلاق کہ جو تعین کی خبر دے ایک طرح کا تسامح ہے اور شیخ قونوی کی تحریر سے جو بات ظاہر ہوتی ہے اور جو تقسیم انھوں نے اسماء ذاتیہ کی، کی ہے اور انھیں حکم واثر میں متعین یا پھر اس سے باہر جاتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسمِ مُستاثر اس اسماء

---

۱: سورۂ "ھود" ۵۶

۲: سورۂ "بقرہ" ۱۴۸

ذاتیہ میں سے ہے کہ جس کے لئے خود عین میں اور باہر بھی کوئی مظہر نہیں ہے۔

لیکن میرے نزدیک (امام فرماتے ہیں) بالتحقیق اسمِ مُستأثر کے لئے عالمِ خارج میں اثر کا وجود ہے، تاہم اس کا اثر بھی "مُستأثر" ہے اس لئے کہ ذاتِ احدیت کے لئے ہر چیز کے ساتھ ایک الگ صورت اور ایک خاص الگ ربط ہے اور یہی سرِّ وجودیِ ذاتِ احدی ہے کہ جسے خداوندِ تبارک وتعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"کوئی ایسا رینگنے والا کیڑا نہیں کہ جس کی پیشانی اور جس کے وجود کی لگام اس کے (یعنی خداوندِ تبارک وتعالےٰ کے) قبضۂ قدرت میں نہ ہو" صرف اسی کی ذات ہے کہ جو ہر ایک کے غایات اور اہداف کو اس کا ساتھی گردانتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ "تدبیر کرو تاکہ جان سکو"

اور خدا کی اسی مہربانی کو امام رضوان اللہ علیہ نے شرح فصوص کے حاشیہ پر بھی افاضہ فرمایا ہے۔ اس توضیح کے ساتھ کہ قیصری شارح نے فصوص پر مقدمہ کے تیسرے باب میں حقِ سبحانہ تعالےٰ سے اعیانِ خارجیہ کو وصول فیض کی ترتیب میں کچھ بینا بین باتیں لکھی ہیں اور پھر کہا ہے:

«وَ اِنْ کَانَ یَصِلُ الْفَیْضُ اِلیٰ کُلِّ مَالَہُ وُجُودٌ فِی الْوَجْہِ الْخَاصِّ الَّذی لَہُ مَعَ الْحَقِّ بِلاَ وَاسِطَۃٍ»:

"اور اگرچہ خداوندِ تبارک وتعالیٰ کا فیض (مذکورہ ترتیب سے ہٹ کر) ہر کسی کو حق تعالیٰ کے ساتھ قائم خاص طریقے سے بلاواسطہ ملتا ہے۔"

حضرت امام اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجتہ فی الرفیق الاعلیٰ اس عبارت پر اپنے حاشیہ میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

«قَوْلُہُ: «مِنَ الْوَجْہِ الْخَاصِّ»، ھُوَ الْوِجْھَۃُ الْغَیْبِیَّۃُ الْاَحَدِیَّۃُ الَّتی لِلْأَشْیَاءِ وَ قَدْ یُعَبَّرُ عَنْھَا بِالسِّرِّ الْوُجُودِیِّ وَ ھٰذَا اِرْتِبَاطٌ خَاصٌّ بَیْنَ الْحَضْرَۃِ الْاَحَدِیَّۃِ وَ بَیْنَ الْاَشْیَاءِ بِسِرِّھَا الْوُجُودِیِّ، «ما مِنْ دَابَّۃٍ اِلاَّ ھُوَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا».

وَ لاَ یَعْلَمُ اَحَدٌ کَیْفِیَّۃَ ھٰذَا الاِرْتِبَاطِ الْغَیْبِیِّ الْأَحَدِیِّ بَلْ ھُوَ الرَّابِطَۃُ بَیْنَ الْأَسْمَاءِ الْمُسْتَأْثَرِ مَعَ الْمَظَاھِرِ الْمُسْتَأْثَرَۃِ فَاِنَّ الْأَسْمَاءَ الْمُسْتَأْثَرَۃَ عِنْدَنَا لَھَا الْمَظَاھِرُ الْمُسْتَأْثَرَۃُ وَ لاَ یَکُونُ اِسْمٌ بِلاَ مَظْھَرٍ اَصْلاً بَلْ مَظْھَرُہُ مُسْتَأْثَرٌ فی عِلْمِ غَیْبِہِ، فَالْعَالَمُ لَہُ حَظٌّ مِنَ الْوَاحِدِیَّۃِ وَ لَہُ حَظٌّ مِنَ الْأَحَدِیَّۃِ وَ حَظُّ الْوَاحِدِیَّۃِ مَعْرُوفٌ لِلْکُمَّلِ، وَالْحَظُّ الْأَحَدیُّ سِرٌّ مُسْتَأْثَرٌ عِنْدَاللّٰہِ، «وَلِکُلٍّ وِجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیھَا».

"شارح کا "خاص طریقہ سے" متعلق بیان وہی غیبیت احدیت کی توجہ ہے کہ جو تمام موجودات کے لئے ہے اور کبھی کبھی اسے

"اسرارِ وجودی" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ حضرت احدیت اور اشیاء کے درمیان ایک خاص ارتباط ہے کہ جو اس کے اسرارِ وجودی سے پھوٹتا ہے جیسا کہ «مامن دابة الاّ هو آخذ بناصيتها» کی مبارک آیت اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور اس ارتباط غیبی احدی کی کیفیت کو کوئی نہیں جانتا بلکہ وہ اسماء مُستأثرہ اور مظاہرِ مُستأثرہ کے درمیان ایک رابطہ ہے اس لئے کہ اسماء مُستأثرہ ہمارے نزدیک مظاہرِ مُستأثرہ کے حامل ہیں بلکہ بنیادی طور پر اسماء میں سے کوئی اسم بھی ایسا نہیں ہے کہ جو بلا مظہر ہو یہاں تک کہ اسمِ مُستأثر الٰہی بھی مظہر کا حامل ہے لیکن اس کا مظہر خود اسمِ مُستأثر کی طرح حضرت احدیت کے علم غیب میں ہے۔

اس بناء پر عالم ہستی کے لئے حضرت اور احدیت، اور حضرتِ احدیّہ سے جُدا جُدا نصیب معین ہے۔ حضرت اور احدیت سے اس کا نصیب کاملین اور اولیاء اللہ تعالےٰ کے لئے مشہور اور آشکار ہے۔ لیکن حضرتِ احدیت سے اس کا نصیب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سِرِّ مُستأثر ہے کہ جس کی طرف "وِلِکُلٍّ وجهة هو موليها" کی مبارک آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

## آیت کے کس حصّہ سے

## "وجہہ غیبی" کا مفہوم نکلتا ہے

اس سوال کا جواب اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم توحید "ذات" کے مسئلہ پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالیں، لہٰذا عرض یہ ہے کہ ہر معنیٰ اپنے پہلے ذاتی مفہوم میں دوسرے معنیٰ سے الگ اور مختلف ہوتا ہے ہاں یہ بات دوسری ہے کہ مشتہر پر ان کی تحمیل ممکن ہے انھیں مصدق واحد کا حامل بنا دے اور وہ اس میں ایک دوسرے سے متحد ہو جائیں حتیٰ کہ عالم اور قادر جیسے باری تعالےٰ کے اسماء ذاتیہ سے متعلق مفاہیم اپنے اپنے طور پر علیٰحدہ علیٰحدہ ایک دوسرے سے الگ اور ایک دوسرے کے لئے بیگانہ ہیں اس لئے کہ علم سے جو کچھ مُراد لیا جاتا ہے وہ اس چیز سے مختلف ہے جو قدرت کے مفہوم میں آتا ہے۔ پس علم اور قدرت اپنے مفہوم اور اپنے معانیٰ میں ایک دوسرے سے مختلف اور ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں لیکن ایک مصداق واحد میں ان کو مشتہر پر اٹھانا کہ جو واجب تعالےٰ کا حقیقت وجود ہے انھیں ایک دوسرے سے متحد اور ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع کرتی ہے بلکہ وہ ذاتِ مقدسہ میں عینیت

پیدا کرتے ہیں اور بالآخر عین ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔

اس بناء پر یعنی ہر مفہوم کی تنگ دامنی اور اس کی محدودیت کی بناء پر ہر مفہوم اس مصداق میں آتا ہے کہ جس میں اس کی حَد کا تعین ہوتا ہے اور یہ تعین مصداق کو اپنی حدوں میں محصور کرلیتا ہے اور چونکہ ذاتِ واجب الوجود حقیقتِ صرفہ اور وجود لامحدود ہے اس لئے حتمی طور پر وہ تمام مفہومی تعینات سے خواہ وہ اسمی ہوں یا صفاتی مبّرا ہے اور یہ حقیقتِ صرفہ ہر طرح کے تعین اور ہر طرح کی قید سے آزاد ایک مطلق حقیقت ہے یہاں تک کہ ہم "آزاد اور مطلق" کی تعبیر بھی اس کے لئے نہیں کرسکتے اور اس قید میں بھی اسے نہیں لا سکتے اور یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صفاتِ متعالیہ کے ساتھ ذاتِ مقدسہ کی عینیت صرف ایک جانب سے ہے یعنی ذاتِ مقدسہ عینِ صفات ہے لیکن مشہور و معروف صفاتِ ذاتیہ حاضرِ ذات لامتناہی نہیں ہیں اس لئے کہ جس طرح اوپر وضاحت ہو چکی مصداق پر واقع مفاہیم اگرچہ صفاتِ ذاتیہ اور ماہیاتِ سنخ سے نہیں ہیں لیکن ایک طرح سے مصداق میں حدبندی کے مستلزم ہیں اور اس صورت میں جب مصداق، حقیقتِ صرفہ اور لامحدود ہے تو پھر کس طرح وہ مذکورہ صفات میں محدود و محصور ہوگا؟!

اور یہی وجہ ہے کہ ذاتِ مقدسہ، غیب الغیوب ہے اور اہلِ اللہ اسے "ہویتِ مطلقہ" سے تعبیر کرتے ہیں اور ہویت منسوب بہ "ہو" کے معنوں میں کہ جو ضمیر غائب ہے "ہو" اور "یت" سے مرکب ہے اور لامحدود حقیقتِ صرفہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو کسی آئینہ اور کسی مظہر میں متجلی نہیں ہوتا اور اہلِ اللہ کے قلوب اس کے مشاہدہ سے معذور ہیں اور ہم پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

اور یہ حقیقتِ صرفہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں ہر طرح کے اسمی اور وصفی تعینات سے مبرّا ہے پس اس حقیقت سے یہی نفیِ صفات اور سلب تعین، خود ایک تعین ہے کہ جس میں تمام تعینات اور کثرتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یہ خود تعینات میں سے پہلا تعین ہے اور لازماً وہ پہلا نام ہے کہ جو مقام "احدیت" کہلاتا ہے اور بعض عرفا نے اسے "عماء"، "حضرتِ جمع" "حضرت حقیقت الحقائق" اور "جمع الجمع" کے مرتبہ میں بھی اس کی تعبیر کی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ 'مقامِ احدیت نیز وہی ہویت غیبیہ ہے کہ جو تعینات کی نفی کے علاوہ اور کوئی تعین نہیں رکھتا اور چونکہ اس کا یہ حقیقتِ تعین، لاتعینی ہے اس لئے یقینی طور پر موجودات کے ساتھ اس کی کوئی نسبت نہیں ہوتی اور وہ بغیر واسطہ کے حاجت

مندوں کی امیدوں کا مرکز نہیں بن سکتا۔ پس وہ اسمائے اور صفاتی تجلیات پر متجلی ہوتا ہے اور یہی مرتبۂ " واحدیت " ہے کہ جسے صاحبانِ معرفت، غیب مضاف اور مرتبہ الوہیت کا نام بھی دیتے ہیں۔

اس بیان کے پیشِ نظر عالی قدر امام قدس سرہ نے غیبی احدی کے خاص طریقے کو کہ جو سرِ وجودی، اور اسم مستاثر اور اس کے مظہر کے درمیان رابطہ ہے " ہو " کی ضمیر سے دو مذکورہ آیتوں میں استنباط فرمایا ہے: والحمدللہ علی منہ تعالےٰ:

# بابِ پنجم

## خداوند کے بارے میں ان اخبار و احادیث کی بات کہ جو اسکے صفات کی نفی اور اثبات دونوں کو یکجا کرتی ہیں

# خداوند تبارک وتعالیٰ کے بارے میں ان اخبار واحادیث کی بات کہ جو اسکے صفات کی نفی اور اثبات دونوں کو یکجا کرتی ہیں

ہماری گزشتہ کی گفتگو ان قطعی نمایاں احادیث کے بارے میں ایک روشن تفسیر ہے کہ جو خداوندِ تبارک وتعالےٰ کے اسماء اور صفات کے سلسلے میں اہلِ بیت علیہم السّلام سے وارد ہوئے ہیں کیوں کہ ایک گروہ اس کے صفات کی نفی کرتا ہے اور دوسرا

اس کے اثبات پر زور دیتا ہے۔
جب ہم معارفِ الٰہی کے خزانوں اور معادنِ حکمت سے متعلق ان آثار کو دیکھتے ہیں کہ جو حضرت ذات اور واحد من جمیع الجہات سے نفی صفات کرتے ہیں تو نفی صفات سے مراد یہی ہویت غیبیہ احدیہ ہوتی ہے کہ جس کے سامنے تمام اسماء و صفات بے مقدار ہیں اور جب آپ دیکھتے ہیں کہ تنزیلِ عزیز کریم اور احادیثِ ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین میں ذاتِ مقدسہ پر اسماء اور صفات واقع ہو رہے ہیں تو سمجھ لیں کہ ان صفات اور اسماء کی وابستگی حضرتِ احدیت اور مقامِ جمعیت الٰہیہ میں، ظہورِ ذات کے پیشِ نظر ہے کہ جیسے عظیم المرتبت امام قدس سرہ نے اپنی کتاب «مصباح الهداية الى الخلافه والولاية» میں اس طرح تعلیم فرمایا ہے:

«اِذا عَثَرتَ عَلیٰ آثارٍ مِنْ مَعادِنِ الْحِکْمَةِ وَ مَحالِّ الْمَعْرِفَةِ تَنْفِی الصِّفاتَ عَنْ حَضْرَتِ الذّاتِ وَالْواحِدِ مِنْ جَمیعِ الْجِهاتِ فَاعْلَمْ اَنَّ الْمَقْصُودَ نَفْیُها عَنْ تِلْكَ الْهُوِيَّةِ الْغَيْبِيَّةِ الاَحَدِيَّةِ الْمَقْهُورَةِ عِنْدَها الاَسْماءُ وَالصِّفاتُ وَ اِذا رَأَيْتَ ايقاعَها عَلَيْها فِی التَّنْزيلِ الْعَزيزِ الْحَكيمِ مِنْ لَدُنْ عَلِيٍّ عَظيمٍ وَ فی اَحاديثِ الأَئِمَّةِ الْمَعْصُومينَ صَلَواتُ اللّٰهِ عَلَيْهِم اَجْمَعينَ فَاعْرِفْ اَنَّها بِحَسَبِ الظُّهُورِ بِفَيْضِهِ الأَقْدَسِ فِی الْحَضْرَةِ الْواحِدِيَّةِ وَ مَقامِ الْجَمْعِيَّةِ الإِلٰهِيَّةِ».

ان قطعی نمایاں روایتوں نے ذی مرتبت عارف جناب

قاضی سعید قمی قدس سرہ کو مغالطہ میں ڈالا ہے اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ان دونوں کے درمیان حدِّ اتصال پر غور نہیں فرمایا ہے اور اس بے توجہی کے نتیجہ میں بعض اخبار واحادیث کو کہ جو مثبت صفاتِ ذاتیہ ہیں انھوں نے ذاتِ مقدسہ سے سلب نقائص پر انھیں محمول کیا ہے اور صدوق علیہ الرحمہ کی شرح توحید میں "باب اسماء اللہ تبارک وتعالےٰ والفراق بین معانیہا ومعانی اسماء المخلوقین" کے ذیل میں ایک طویل بحث کی ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"ذات اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جو عین وہی چیز ہو اور صفت وہ ہوتی ہے کہ جس سے مل کر ذات ایک دوسری حالت میں آجاتی ہے۔ پس صفت ذات سے باہر ہوتی ہے اور اس کے ثبوتی ہونے اور خلق ومخلوق کے درمیان اس کے معنوی اشتراک سے ضروری ہو جاتا ہے کہ ذاتِ واجب الوجود مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز سے مرکب ہو اور چونکہ معنوی اشتراک اور خالق ومخلوق کے درمیان صفات کی مشابہت اس طرح کے ناقص جزءِ موخر کا سبب بنتی ہے اس لیۓ لازمی طور پر ہم اسے لفظی اشتراک پر محمول کرتے ہیں اور خداوندِ تبارک وتعالےٰ کے بارے میں عالم، قادر اور اس طرح کے دوسرے ناموں کا

مفہوم یہ ہوتا ہے کہ خداوندِ تبارک وتعالےٰ جاہل اور عاجز وغیرہ نہیں یعنی اس طرح ہم علم و قدرت کے نقیض کو کہ جو جہل وعجز ہے ذاتِ باری تعالےٰ سُبحانہ سے سلب کرتے ہیں۔

اور اسی طرح انھوں نے اپنی کتاب اربعین میں متعدد مقامات پر اپنے اس نظریہ کی تاکید کی ہے، حتّیٰ کہ اپنے مخالفین کی تجہیل وتعریض سے بھی اجتناب نہیں کیا ہے۔ عالی مرتبت امام اپنی کتاب اربعین میں چھتیسویں[۳۶] حدیث کی شرح کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: "باری تعالےٰ کی بعض صفات کو امور عدمیہ پر پلٹایا گیا ہے اور "علم" کو عدم جہل اور "قدرت" کو عدمِ عجز سے نسبت دی گئی ہے اور اہلِ معرفت میں اگر کسی نے اس مفہوم پر اصرار کیا ہے تو وہ جلیل القدر عارف جناب قاضی سعید قمی مرحوم ہیں۔ "امام اس بزرگ ہستی کو بہ اعتبارِ عرفان محی الدین عربی کے ہم پلہ جانتے تھے"۔ انھوں نے شرح توحید میں مذکورہ بیان کے سلسلے میں بظاہر اپنے اُستاد ملا رجبعلی مرحوم کی پیروی کی ہے اور ہم ان کے دلائل و براہین اور ظواہرِ اخبار سے ان کے تمسّکات کے جواب کو گزشتہ میں مدلل طور پر پیش کر چکے ہیں"۔

امام نے گزشتہ میں پیش کئے جانے والے جس جواب

کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ غالباً "مصباح الہدایۃ" میں پیش کی جانے والی عبارت ہے جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

«اِنّی لاَتعجّبُ مِنَ العارفِ المُتقدّمِ ذِکرُهُ مَعَ عُلُوِّ شأنِهِ وَ قُوَّةِ سُلوکِهِ کَیفَ ذَهَلَ عَنْ ذٰلِكَ المَقامِ الَّذی هُوَ مَقامُ نَظَرِ العُرَفاءِ العِظامِ حَتّٰی حَکَمَ بِنَفیِ الصِّفاتِ الثُّبوتیَّةِ عَنِ الحَقِّ جَلَّ شَأنُهُ وَحَکَمَ بِاَنَّ الصِّفاتِ کُلَّها تَرجِعُ اِلیٰ مَعانٍ سَلبیَّةٍ وَ تَحاشیٰ کُلَّ التَّحاشی عَنْ عَینیَّةِ الصِّفاتِ لِلذّاتِ وَ اَعجَبُ مِنهُ الحُکمُ بِالاِشتِراکِ اللَّفظیِّ بَینَ الاَسماءِ الاِلٰهیَّةِ وَالخَلقیَّةِ وَالصِّفاتِ الواقِعَةِ عَلَی الحَقِّ وَالخَلقِ وَ اَعجَبُ مِنَ الاَعجَبِ ما سَلَكَ فِی الطَّلیعَةِ الاُولیٰ مِنَ البَوارِقِ المَلَکوتیَّةِ مِنْ اَنَّ ما یوصَفُ بِوَصفٍ فَلَهُ صورَةٌ لِاَنَّ الوَصفَ اَعظَمُ الحُدودِ لِلشَّیءِ فِی المَعانی وَ لا اِحاطَةَ اَوضَحُ مِنْ اِحاطَةِ الصِّفَةِ فِی العَوالی وَ جَعَلَ ذٰلِكَ سِرًّا فِی الخَبَرِ اَنَّ اللّٰهَ لایوصَفُ... وَ ظَنّی اَنَّ ذَهابَهُ اِلیٰ ذٰلِكَ لِعَدَمِ استِطاعَتِهِ عَلیٰ جَمعِ الاَخبارِ فَوَقَعَ فیما وَقَعَ الخ:

اس کے بعد وہ گفتگو کو آگے بڑھا کر ارشاد فرماتے ہیں: کوئی حکم لگانے والے اس مصنف کو مخاطب کر کے کہے:

«اَیُّهَا الشَّیخُ العارِفُ جَعَلَكَ اللّٰهُ فی اَعلیٰ دَرَجاتِ النَّعیمِ اَنتَ الَّذی فَرَرتَ مِنَ الاِشتِراکِ المَعنَویِّ بَینَ الحَقِّ وَالخَلقِ وَ جَعَلتَ التَّنزیهَ مَلاذاً لِلتَّشبیهِ، مَا الَّذی دَعاكَ اِلَی الذَّهابِ اِلیٰ اَنَّ الصِّفَةَ ما مَعَهُ الشَّیءُ بِحالٍ فی اَیِّ مَوطِنٍ مِنَ المَواطِنِ حَصَلَ وَ فی اَیِّ مَوجودٍ مِنَ المَوجوداتِ وُجِدَ؟ بِمُجَرَّدِ اَنَّ الصِّفَةَ

فِي الْخَلْقِ لاٰ مُطْلَقاً بَلْ فى عالَمِ الْمادَّةِ وَالْهَيُولىٰ كَذٰلِكَ هَلْ هذا اِلاَّ التَّشْبيهُ الَّذى وَرَدَتِ الْأَخْبارُ الصَّحيحَةُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِ الْعِصْمَةِ وَالطَّهارَةِ صَلَواتُ اللهِ عَلَيْهِمْ بَلِ الْكِتابُ الْعَزيزُ عَلىٰ نَفْيِهِ؟ وَ فَرَرْتَ مِنْهُ حَتّى وَقَعْتَ فيما وَقَعْتَ مِنْ نَفْيِ الصِّفاتِ الَّتى قالَ اللّٰهُ تَعالىٰ شَأْنُهُ فى حَقِّها، «وَ لِلّٰهِ الْأَسْماءُ الْحُسْنىٰ فَادْعوهُ بِها وَ ذَرُوا الَّذينَ يُلْحِدُونَ فى اَسْمائِهِ سَيُجْزَوْنَ ما كانُوا يَعْمَلُون»[1] و قال تعالى شانه: «قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيّاً ما تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْماءُ الْحُسنى»[2] وَ هَلْ زَعَمْتَ اَنَّ مَنْ قالَ مِنَ الْحُكَماءِ الْعِظامِ وَالْأَوْلِياءِ الْكِرامِ رِضْوانُ اللّٰه عَلَيْهِمْ بِعَيْنِيَّةِ الصِّفاتِ لِلذّاتِ الْمُقَدَّسَةِ، اَنَّها ماذَكَرْتَ بِعَيْنِها وَ هَلِ الْمُرادُ اِلاّ اَنَّ الْوُجُودَ الْحَقيقىَّ بِاَحَدِيَّةِ جَمْعِهِ يَصْلَحُ فيهِ الْمُتَغايِراتُ وَ يَجْتَمِعُ فيهِ الْكَثَراتُ بِالْهُوِيَّةِ الْوَحْدانِيَّةِ الْمُنَزَّهَةِ عَنْ شائِبَةِ الْكَثْرَةِ؟ فَنَطَقَ لِسانُ الْحُكَماءِ الْمُتَأَلِّهينَ لِإِفادَةِ ذٰلِكَ الْأَمْرِ الْعَظيمِ الَّذى كانَ الْعِلْمُ بِهِ مِنْ اَجَلِّ الْمَعارِفِ الْإِلٰهِيَّةِ بِاَنَّ بَسيطَ الْحَقيقَةِ كُلُّ الْأَشْياءِ بِالْوَحْدَةِ الْجَمْعِيَّةِ الْإِلٰهِيَّةِ»:

"اے شیخ عارف خدا تمھیں درجات النعیم میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز کرے تم وہ ہو کہ جس نے حق تعالےٰ اور مخلوق کے درمیان معنوی اشتراک سے گریز کیا اور تنزیہ کو تشبیہ کی پناہ گا بنایا،

---

[1]: "اعراف" ۱۸۰

[2]: "اسراء" ۱۱۰

میں پوچھتا ہوں کہ وہ کون سی چیز تھی کہ جس نے تمھیں یہ بات سمجھائی کہ صفت اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے ذات ایک دوسری حالت اختیار کرے اور پھر صفت کی اس تفسیر کو تمام مقامات پر تمام موجودات میں یکساں جانو اور محلِّ عمومیت میں لاؤ؟! حالانکہ صفت خلق میں وہ بھی مطلق خلق میں نہیں بلکہ فقط خلق میں اس مفہوم کے اعتبار سے مادہ اور ہیولیٰ ہے، تو پھر کیا اس مفہوم کو تمام موجودات پر حتیٰ کہ ذاتِ باری تعالیٰ پر بھی منطبق کرنا، خود تشبیہ نہیں؟ یہی وہ تشبیہ ہے کہ جس کی نفی اہلِ عصمت و اطہار صلوٰت اللہ علیہم کی صحیح روایات میں ملتی ہے بلکہ ذی عزت کتاب نے بھی اس کی نفی کی ہے اور آپ نے اس سے فرار اختیار کیا اور گر پڑے اس میں جسے آپ نے گرا دیا اور نفیِ صفات کے ورطہ میں پھنس گئے جن کے حق میں خداوندِ تبارک و تعالےٰ کا ارشاد ہے: "اور خدائے تعالےٰ کے لئے بہترین نام ہیں تم اسے ان ناموں سے پکارو اور وہ لوگ کہ جو اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو وہ اپنے اعمال کی سزا ضرور پائیں گے"۔[1]

قال تعالےٰ شانہ: "کہو (اے رسول) اِتم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں"[2]

---

۱۔ سورۂ اعراف۔ آیت ۱۸۰ ۲۔ سورۂ اسراء آیت ۱۱۰

اور کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حکمائے عظام اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم کا وہ گروہ کہ جو ذات کے ساتھ عینیتِ صفات کا قائل ہے اسی مفہوم میں ہے کہ جس مفہوم میں آپ نے ذکر کیا ہے ؟!

اور کیا عینیت ذات وصفات سے مُراد سوا اس کے اور کچھ ہے کہ احدیتِ مجموع میں سمٹے ہوئے وجودِ حقیقی کے اندر تمام متغایرات متفق اور متحد ہیں اور کثرت سے پاک واحدنیۂ جمعیّہ کی صورت میں تمام کثرتیں ایک دوسرے کے ساتھ اس میں مجتمع ہیں ؟ اور علمِ الٰہیات کے حکماء کی زبانِ نطق اس امرِ عظیم میں فائدہ رسانی کے لئے واہوئی ہے کہ جس کا جاننا اعلیٰ ترین معارف میں سے ہے اور انھوں نے فرمایا:

«بسيط الحقيقة كل الاشياء بالوحدة الجمعية الالهية»

# باب ششم

## اسمِ مُستأثر مظاہر و آثار کا حامل ہے کے موضوع پر امام خمینیؒ کے نظریات

# "اسمِ مستأثر مظاہر و آثار کا حامل ہے" کے موضوع پر حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کے نظریات

جیسا کہ آپ نے مطالعہ فرمایا، مرحوم آیت اللہ آقائے شاہ آبادی علیہ الرحمۃ کے نظریہ کے برخلاف عالی مرتبت امام (رضوان اللہ علیہ) خارجی صورت میں اسماء مُستأثرہ کے لئے مظاہر و آثار کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان اسماء شریفہ کے آثار و مظاہر

انھیں کے نفسِ اسماء کی طرحِ اللہ کے نزدیک مُستائثر اور چھپے ہوئے ہیں۔ مزید برآں انھوں نے "مصباح الانس" کے حاشیہ پر بھی کہ جو "فصوص" پر حاشیہ کے ضمن پر لکھی گئی ہے۔ اس مفہوم پر تاکید کی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ کا کوئی اسم ایسا نہیں ہے کہ جو مظہر اور اثر سے خارج ہو، آپ، مظاہر اور اسماء مُستأثرہ کے درمیان حقیقتِ خاص اور سِرِ وجودی کو رابطہ جانتے تھے اور اس کے ساتھ آپ کی یہ تصریح بھی ہے کہ اس غیبی احدی کے ارتباط کی کیفیت کو سوائے خداوندِ تبارک و تعالےٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے چند آیتوں سے اس حقیقتِ خاص اور سرِّ وجودی کو استنباط فرمایا ہے:

اس مدعا پر حضرتِ امام کی دلیل بظاہر "اسمِ مُستأثرہ" کا اسم ہونا اور اسم کی حیثیت رکھنا ہے، اس لئے کہ اسم کی پیدائش بہ اقتضائے حاجاتِ ممکنات ہوتی ہے اور اسماءِ الٰہی وہ قبلۂ حاجات ہیں کہ دائرہ خلقت میں آنے والے فطرتاً اسماء کے ساتھ اپنی حاجتوں کے تناسب سے ان کا رُخ کرتے ہیں اور از روئے جبلت آہ و زاری کرتے ہیں۔

اور یہی ہے «وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا»[1]۔ اور «يَسْئَلُهُ

---

[1]: "سورۂ اعراف" ۱۸۰

مَنْ فِي السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ » لہ کی آیتوں کا مفہوم، بلکہ ہماری یہ گفتگو برھانی اصول اور عرفانی قواعد کی متقاضی ہے چنانچہ " مصباح الھدایہ " میں وہ عالی وقار ارشاد فرماتے ہیں:

«هٰذِهِ الْحَقِيقَةُ الْغَيْبِيَّةُ لَاتَنْظُرُ نَظَرَ لُطْفٍ اَوْقَهْرٍ وَ لَاتَتَوَجَّهُ تَوَجُّهَ رَحْمَةٍ اَوْ غَضَبٍ اِلَى الْعَوَالِمِ الْغَيْبِيَّةِ وَالشَّهَادِيَّةِ مِنَ الرُّوحَانِيِّينَ الْقَاطِنِينَ فِى حَضْرَةِ الْمَلَكُوتِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ السَّاكِنِينَ فِى عَالَمِ الْجَبَرُوتِ بَلْ هِيَ بِذَاتِهَا بِلَا تَوَسُّطِ شَيْءٍ لَا تَنْظُرُ اِلَى الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ وَ لَاتَتَجَلّٰى فِى صُورَتٍ اَوْ مِرْآتٍ، غَيْبٌ مَصُونٌ فِى الظُّهُورِ، مَسْتُورٌ غَيْرُ مَكْشُوفٍ عَنْ وَجْهِهِ حِجَابُ النُّورِ فَهُوَ الْبَاطِنُ الْمُطْلَقُ وَالْغَيْبُ الْغَيْرُ الْمَبْدَءِ لِلْمُشْتَقِّ.

وَ اِذَا انْكَشَفَ عَلٰى سِرِّكَ اَنَّ هٰذِهِ الْحَقِيقَةَ الْغَيْبِيَّةَ اَجَلُّ مِنْ اَنْ يَنَالَ بِحَضْرَتِهَا اَيْدِي الْخَائِفِينَ، وَ يَسْتَفِيضَ مِنْ جَنَابِ قُدْسِهَا اَحَدٌ مِنَ الْمُسْتَفِيضِينَ وَ لَمْ يَكُنْ وَاحِدٌ مِنَ الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ بِمَالَهُمَا مِنَ التَّعَيُّنَاتِ مَحْرَمَ سِرِّهَا وَ لَمْ يُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنَ الْمَذْكُورَاتِ دُخُولَ خِدْرِهَا فَلَابُدَّ لِظُهُورِ الْاَسْمَاءِ وَ بُرُوزِهَا وَ كَشْفِ اَسْرَارِ كُنُوزِهَا مِنْ خَلِيفَةٍ اِلٰهِيَّةٍ غَيْبِيَّةٍ يَسْتَخْلِفُ عَنْهَا فِى الظُّهُورِ فِى الْاَسْمَاءِ وَ يَنْعَكِسُ نُورُهَا فِى تِلْكَ الْمَرَايَا حَتّٰى يَنْفَتِحَ اَبْوَابُ الْبَرَكَاتِ وَ تَنْشَقَّ عُيُونُ الْخَيْرَاتِ وَ يَنْفَلِقَ الصُّبْحُ الْاَزَلُ وَ يَتَّصِلَ الْاٰخِرُ بِالْاَوَّلِ، فَصَدَرَ الْاَمْرُ

---

لہ: " سورۂ رحمٰن " ۲۹

بِاللِّسانِ الْغَيْبِيِّ فِی الْمَصْدَرِ الْغَيْبِ عَلَی الْحِجابِ الْاَکْبَرِ وَالْفَيْضِ الْاَقْدَسِ الْاَنْوَرِ بِالظُّهُورِ فی مَلابِسِ الْاَسْماءِ وَالصِّفاتِ وَ لَبْسِ کِسْوَةِ التَّعَيُّناتِ فَاَطاعَ اَمْرَهُ وَ اَنْفَذَ رَأْيَهُ.

هٰذِهِ الْخَلِيفَةُ الاِلٰهِيَّهُ وَالْحَقِيقَةُ الْقُدْسِيَّةُ الَّتی هِیَ اَصْلُ الظُّهُورِ لابُدَّ وَ اَنْ يَکُونَ لَها وَجْهٌ غَيْبِیٌّ اِلَی الْهُوِيَّةِ الْغَيْبِيَّةِ وَ لاتَظْهَرُ بِذٰلِكَ الْوَجْهِ اَبَداً وَ وَجْهٌ اِلیٰ عالَمِ الْاَسْماءِ وَالصِّفاتِ بِهٰذَا الْوَجْهِ يَتَجَلّیٰ فيها وَ يَظْهَرُ فی مَرايا ها فِی الْحَضْرَةِ الْواحِدِيَّةِ الْجَمْعِيَّةِ، اَوَّلُ مايَسْتَفِيضُ مِنْ حَضْرَةِ الْفَيْضِ وَالْخَلِيفَةِ الْکُبْریٰ، حَضْرَةُ الْاِسْمِ الْاَعْظَمِ اَیِ الْاِسْمِ اللّٰهِ بِحَسَبِ مَقامِ تَعَيُّنِهِ بِاسْتِجْماعِ جَمِيعِ الْاَسْماءِ وَالصِّفاتِ وَ ظُهُورِهِ فی جَمِيعِ الْمَظاهِرِ وَالآياتِ فَاِنَّ التَّعَيُّنَ الْاَوَّلَ لِلْحَقِيقَةِ اللاَّمُتَعَيِّنَةِ هُوَ کُلُّ التَّعَيُّناتِ وَالظُّهُوراتِ وَ لا يَرْتَبِطُ واحِدٌ مِنَ الْاَسْماءِ وَالصِّفاتِ بِهٰذَا الْفَيْضِ الْاَقْدَسِ اِلاَّ بِتَوَسُّطِ الْاِسْمِ الْاَعْظَمِ عَلَی التَّرْتِيبِ الْمُنْسَقِ کُلٌّ حَسَبَ مَقامِهِ الْخاصِّ بِهِ»:

اس نورانی بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہویت غیبیہ احدیہ کہ جو ذاتِ غیب الغیوب کے سوا ہے۔ ہر تعین سے منزہ ہے اور لا تعینیت کے سوا اس کا کوئی تعین نہیں ہے اور یہ بات ممکن نہیں کہ واسطہ کے بغیر وہ ضرورت مندوں اور محتاجوں کا مرجع اور ان کے امیدوں کا مرکز ہو اور اس کی ذات نیکیوں اور برکتوں کا مصدر بنے۔ بلکہ نیکیوں اور برکتوں کے مصادر

اور مراجع حاجات وہی اسماء اور صفات ہیں کہ جو برکتوں اور حاجتوں کی مناسبت سے مصدریت اور مرجعیت رکھتے ہیں اور یہ کہ ظہور اسماء و صفات بھی فیض اقدس اور خلیفہ کبریٰ کے توسط سے (کہ جو روحِ خلافتِ محمدیہ اور اس کی اصل اور اس کا مبدء ہے) عمل میں آئے ہیں۔

پس یہ کیسے ممکن ہے کہ اسم خواہ وہ مُستأثر ہی کیوں نہ ہو بلا مظہر اور بلا اثر ہو اور قبلہٴ حاجات نہ ہو پھر یہ کہ بعض ماثورہ دُعاؤں میں اسمِ مُستأثر، قضائے حاجات کے لئے سبب تمسک بنا ہے جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ جملہ بھی ہے:

«اَللّٰهُمَّ... اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَلَكَ - الى قوله - اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهِ فى عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبيعَ قَلْبى...»

آپ نے دیکھا کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی اس دُعا میں "مُستأثر" کا مبارک اسم دُعا اور التجا کا ذریعہ بنا ہے اور قضائے حاجات اور نزولِ برکات میں اس سے مدد لی گئی ہے۔

اختتام

# اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

دس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے کہ اس عظیم محقق نے "نور العز الابہج" سے راضیۃ مرضیۃ کی کیفیت کے ساتھ رجوع اور الحاق کر لیا ہے، وہ اسمِ مبارک "عزیز" میں فانی ہے۔ اس کے فنا کی کیفیت اس حد تک تھی کہ وہ خدائے عزیز کے اذن کے بغیر کسی سے کوئی اثر قبول نہیں کرتا تھا۔ مشرق و مغرب کی شہ زوریاں اس کے اعلیٰ اور ارفع آستانہ پر ایک معمولی چنگاری کی طرح اس کی حرمت کی ہیبت سے

اِدھر اُدھر بل کھا کر خاموش ہو جاتی تھیں وہ جو روایت میں «المهابةُ فی صدُورِ الظّالِمین» آیا ہے یہ عظیم ہستی اسی کی مظہرِ تام رہی ہے اور اسی کے سبب بیسویں صدی کے جہالت کی اس لمبی گھُپ اندھیری رات میں اس کے حرمت کی ہیبت سے "بڑا شیطان"، (یعنی امریکا) "نکص علی عقبیہ" ہوا (یعنی پچھلے پاؤں واپس لوٹا) یہی ہیبت اور یہی رعب و جلال تھا کہ جس نے شیاطین کی رسوائی کی تھالی کو مکر و حیلہ کی چھت سے نیچے پھینکا اور اسی طرح کی دوسری کرامتیں ان سے وابستہ ہیں، فَبِمِثْلِ ذٰلِكَ فَلْیَعْمَلِ الْعامِلُونَ.

«اَمْ حَسِبَ الَّذینَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئاتِ اَنْ نَجْعَلَهُمْ کَالَّذینَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّالِحاتِ»

«سَواءً مَحْیاهُمْ وَ مَماتُهُمْ ساءَ ما یَحْکُمُونَ» لہ

۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ ہجری

محمد محمدی گیلانی

# فہرست آیات


یآ اَیَّتُھا النَّفسُ المُطْمَئِنَّۃُ اِرْجِعی اِلیٰ رَبِّکِ. ۱۱
قالَ الَّذی عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِنَ الْکِتٰبِ اَنَا اتیکَ بِہٖ... ۲۴
قُلْ کَفیٰ بِاللّٰہِ شَھیدا بَیْنی و بَیْنَکُمْ وَ مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰب. ۳۱
کُلَّ یَوْمٍ ھُوَفی شَأن : ۵۰
وَ کَذٰلِکَ یَجْتَبیکَ رَبُّکَ مِنْ تأویل الْاَحادیث. ۵۳
سَنُریھم آیٰاتِنا فِی الْآفاقِ وَ فی اَنفُسِہِم حَتّٰی یَتَبَیَّن... ۵۴
عَلَّمْناہٗ مِنْ لَدُنّا عِلماً. ۵۶
وَمایأتیھِمْ مِنْ ذِکرٍ مِنْ رَبِّھِمْ مُحْدَثٍ اِلاّ کانُوا عَنْہُ مُعْرِضین ۵۶
وَ ما یأتیھِم مِنْ ذکرٍ مِنْ رَبِّھِم مُحْدَثٍ اِلاّ اسْتَمَعُوہُ وَ ھُمْ یَلْعَبُون ۵۶
وَاعلَمُوا اَنَّ فیکُمْ رَسُولَ اللّٰہِ لَوْ یُطیعُکُمْ فی کثیرٍ مِنَ الْأمرِ... ۵۸

| | |
|---|---|
| سَنُرِيهِم آياتِنا فیالْآفاقِ وَ فی أنفُسِهِمْ | ۵۹ |
| إنَّهُ لَقُرآنٌ كَريمٌ فی كِتابٍ مَكْنُون لايَمَسُّهُ إلّا الْمُطَهَّرُون.... | ۶۲ |
| مُطاعٍ ثَمَّ امین | ۶۲ |
| ما مِن دابَّةٍ إلاّهُوَ آخِذٌ بِناصِيَتِها | ۸۱ |
| وَ لِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيها | ۸۱ |
| وَ لِلّهِالأَسْماءُالْحُسنیٰ فَادْعُوهُ بِها | ۹۶ |
| قل ادْعُوااللّهَ اَوِادعواالرَّحْمٰنَ اَيّاً ماتَدْعُوا فَلَهُالْاَسْماءُالْحُسنیٰ | ۹۶ |
| يَسْئَلُهُ مَنْ فِیالسَّماواتِ والْأَرْض | ۱۰۳-۱۰۳ |
| اَمْ حَسِبَالَّذينَ اجْتَرَحوُا السَّيِّئاتِ اَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذين آمنوُا... | ۱۰۷ |

# فہرست روایات


فَصَعِقَ هَمَّامٌ صَعْقَةً كانَتْ نَفْسُهُ فيها. ١١
اِنَّ اِسْمَ اللّهِ اْلاَعْظَمَ عَلىٰ ثَلٰثَةٍ و سَبْعِينَ حَرفاً... ٢٠
اِسْمُ اللّهِ الْاَعْظَمِ ثَلٰثَةٌ وَ سَبْعُونَ حَرْفاً... ٢١
اَللّهُمَّ اَنِّی اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذی خَلَقْتَهُ مِنْ ذاتِك... ٢٢
مَنْ اصابَهُ هَمٌّ اَوحُزْنٌ فَلْيَقُلْ اَللّهُمَّ اِنّی عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِك... ٢٢
قالَ: كُنْتُ اَنَا وَ ابو بَصير و يَحْيىٰ الْبَزّازُ وَ داوُدُبنُ كثيرٍ فی مَجْلِس... ٢٨-٢٩
اِنَّ حَديثَ الِ مُحَمَّدٍ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لايُؤْمِنُ بِهِ اِلاّ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ... ٥١
اِنَّ حَدیثَنا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ ذَكْوانٌ اَجْرَدُ لايَحْتَمِلُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ... ٥١
اَمّا العِمامَةُ فَسُلْطانُ اللّهِ تَعالىٰ عَزَّوَجَلَّ وَ اَمَّا السَّيْفُ فَعِزَّةُ اللّهِ... ٥٢
اِنّا مَعاشِرَ الْاَنْبياءِ اُمِرْنا اَنْ نُكَلِّمَ النّاسَ عَلىٰ قَدْرِ عُقُولِهِم. ٥٦
اِنَّ لِلْقُرآنِ ظَهْراً وَ بَطْناً وَ لِبَطْنِهِ بَطْناً اِلىٰ سَبْعَةِ اَبْطُن. ٦٠
لی مَعَ اللّهِ وَقْتٌ لا يَسَعُنی فيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ و لا نَبیٌّ مُرْسَل ٦٤

بسمہ تعالیٰ

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین

آقائی سیّد سراج الدین موسوی دام عزہ

جنابِ عالی آپ کے مفید تجربات، قابلِ قدر وقیمت، خدمات، انقلابی سوابق اور حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ سے متعلق ومربوط فرہنگی امور سے آپ کی دلچسپی کے پیشِ نظر، جنابِ عالی کو دفترِ نشرِ آثارِ حضرت امام رض میں بین الاقوامی امور کا مسئول مقرر کرتا ہوں۔ تاکہ آثار حضرت امام رض کے ترجمے اور ملک سے باہر ان کو منتشر کرنے کی شکل میں آپ اسلام اور انقلاب کی بہتر و بیشتر خدمت کر سکیں۔

طبیعی ہے کہ وہ تمام امکانات اور افراد جو اس سلسلہ میں مؤسّسہ کے معاون ہیں، بلاواسطہ جنابِ عالی کی نگرانی میں اپنی خدمات جاری رکھیں گے۔

میں خداوندِ متعال سے آپ کے لئے طالب توفیق ہوں۔

والسّلام علیکم، احمدؒ خمینی

۸ - ۹ - ۷۱

کوثر

مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

امور بین الملل